ہلالِ غم

(رثائی کلام ہلال امروہوی)

تحقیق و تدوین و مقدمہ

(خاندانِ کمال امروہی کی رثائی ادب میں خدمات)

ڈاکٹر عظیم امروہوی

پیشکش:۔ عالمی مرثیہ سینٹر، نئی دہلی

ہلالِ غم

(رثائی کلام ہلالؔ امروہوی)

تحقیق، تدوین

و

مقدمہ

خاندانِ کمالؔ امروہی

کی رثائی ادب میں خدمات

ڈاکٹر عظیم امروھوی

پیشکش: عالمی مرثیہ سینٹر، نئی دہلی

© جملہ حقوق محفوظ بحق ناشر

نام کتاب : ہلال غم
مصنف : ڈاکٹر عظیم امروہوی
طبع اول : 2011ء
تعداد اشاعت: دو ہزار
پیش کش : عالمی مرثیہ سینٹر، نئی دہلی
موسیٰ اپارٹمنٹ 6، اے ذاکر نگر، جامعہ نگر
نئی دہلی 110025، فون نمبر: 09250686517
کمپوزنگ : نوشاد عالم ندوی، 9015763829، 9999281492
مطبوعہ :
سرورق : سلیم امروہوی

ملنے کے پتے

(۱) تاجدار امروہوی، راکی ہل، نزدیک رضوی انجینئرنگ کالج، رضوی کامپلیکس
شرلی راجن روڈ، باندرہ (ویسٹ) ممبئی، فون: 09323273317
(۲) بزم تجدید مرثیہ سفینۂ اختر کمال امروہی روڈ۔
دربار شاہ ولایت امروہہ (یوپی) 244221۔
(۳) المصطفیٰ پبلیکیشن فیس 2، اوکھلا وہار، نئی دہلی 110025۔ الہند
فون نمبر: 09213104134

فہرست

انتساب		۴
التماس	ادارہ	۵
خانوادہ کمال امروہی کا علمی وادبی شجرہ	ادارہ	۶
پیش لفظ	تاجدار امروہی	۷
مقدمہ (خاندان کمالؔ امروہی کی رثائی ادب میں خدمات)	ڈاکٹر عظیمؔ امروہوی	۹
عکس تحریر	انیس حسن ہلالؔ امروہوی	۹۶
سلام	ہلالؔ امروہوی	۹۸
مراثی	ہلالؔ امروہوی	۱۰۴

ع۔ جس دم ادا نماز سحر کی امامؑ نے

ع۔ دیکھ کر چاند محرم کا نمایاں زینب

ع۔ جب پیاس کی شدت ہوئی بے حد شہ دیں پر

ع۔ جب سید مظلوم اکیلے رہے رن میں

انتساب

جدِّ اعلیٰ

سید العارفین

حضرت سید حسین شرف الدین

شاہ ولایتؒ

کے نام

التماس

سورہ فاتحہ

برائے

ایصال ثواب

سید انیس حسن ہلالؔ مرحوم ولد سید نصیر حسن نصیرؔ مرحوم

سید امیر حیدر کمالؔ امروہی مرحوم ولد سید انیس حسن ہلالؔ مرحوم

سیدہ آلِ زہرہ (محمودی بیگم) مرحومہ دختر سید جمال حسن مرحوم

مہ جبیں نازؔ مرحومہ دختر علی بخش مرحوم

خانوادۂ کمالؔ امروہی

کا علمی و ادبی شجرہ

مخدوم حضرت سید حسین شرف الدین شاہ ولایتؒ

⋮

سید ابدال محمد

سید عطا احمد عطاؔ

سید سلطان احمد سلطان

سید تصدق حسین شایاںؔ

سید امیر حسن امیرؔ

سید نصیر حسن نصیرؔ

سید نفیس حسن نفیسؔ — سید انیس حسن ہلالؔ — سید شفیق حسن ایلیاؔ — سید وحید حسن وحیدؔ

سید امیر حیدر (کمالؔ امروہی) — سید عمران حیدر حسینیؔ

سید تاجدار کمال (تاجدارؔ امروہی) — سید محمد مہدی (رئیسؔ امروہوی) — سید محمد تقی صدرؔ — سید جون اصغر (جونؔ ایلیا)

پیش لفظ

دادا سید انیس حسن ہلالؔ کا انتقال میری ولادت سے بھی برسوں پہلے ہو گیا تھا۔ اس لئے انھیں میرے دیکھنے کا تو سوال ہی نہیں۔ لیکن دادا مرحوم کے بارے میں کبھی کبھی بابا مرحوم (سید امیر حیدر کمالؔ امروہی) سے بات ہوتی تھی تو بابا بتاتے تھے کہ دادا ایک بہت نیک اور مومن انسان تھے۔ شاعر بھی تھے اور مرثیہ خوان بھی۔ لیکن کبھی ان کا کلام دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ دادا مرحوم کی عمر بھی کم ہوئی اور انھوں نے جو کچھ کلام کہا وہ اس لیے محفوظ نہیں رہ سکا کہ بابا اور ہمارے تائے جی سید رضا حیدر مرحوم روزگار کی وجہ سے امروہہ سے باہر رہے۔

لیکن — میری حیرت کی اس دن انتہا نہ رہی جس دن بھائی عظیم (ڈاکٹر عظیم امروہوی) نے مجھے دادا مرحوم کے سلام اور مرثیے ان کے ہی قلم سے لکھے ہوئے دکھائے۔ دراصل بھائی عظیم صرف شاعر ہی نہیں بلکہ ادیب اور محقق بھی ہیں اور رثائی ادب میں تو وہ پوری اردو دنیا میں ممتاز مقام رکھتے ہیں اور نہ جانے اُن کی کتنی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

بہر حال حیرت کے ساتھ ہی یہ سلام و مراثی دیکھ کر مجھے بے حد خوشی بھی ہوئی۔ جب میں نے یہ کلام پڑھنا شروع کیا تو دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اسے کتابی شکل دی جائے اور محفوظ کر دیا جائے تا کہ دادا کا کلام کتابی شکل میں برسوں باقی بھی رہے اور ان مرحوم کی روح کو ثواب بھی پہنچے۔ ساتھ ہی پڑھنے والے بھی

ثواب حاصل کریں۔ بھائی عظیم سے اس خیال کا ذکر کیا تو انھوں نے بھی میری رائے کو پسند کیا۔ وہ میرے ذہنی اور دلی طور پر ہمیشہ سے قریب رہے ہیں۔ اُن کی طرف سے ہمت افزائی نے ہی مجھے بھی کبھی کبھی سلام کہنے پر آمادہ کیا ہے۔

اکثر — گھر میں بابا سے بزرگوں کا ذکر سنتا تھا کہ ہمارے، دادا، پردادا اور اُن کے دادا وغیرہ سب عالم، فاضل، شاعر اور ادیب ہوئے ہیں۔ لیکن خاندان کی ادبی خدمات کہیں باقاعدہ تحریر نہیں کی گئیں۔ اس لیے سوچا کیوں نہ ان سلاموں اور مرثیوں کے ساتھ ہی بزرگوں کی ادبی خدمات بھی شامل کر لی جائیں۔ لیکن یہ کام بھی صرف بھائی عظیم ہی کر سکتے تھے۔ اس لیے میں نے اُن سے ہی گزارش کی کہ آپ وقت نکال کر اس سلام و مراثی کے مجموعے کے لیے تفصیلی مقدمہ ایسا لکھ دیں کہ جس میں ہمارے گھرانے کی ادبی تاریخ بھی شامل ہو جائے۔ انھوں نے میری درخواست تو مان لی لیکن یہ کہا کہ مکمل ادبی خدمات بیان کرنے کے لیے تو کئی سو صفحات کی کتاب ہو جائے گی اس لیے صرف رثائی ادب میں جو خدمات ہیں اُن کو شامل کرنا مناسب ہوگا۔

بھائی عظیم امروہوی امروہہ کی ادبی تاریخ اور اردو مرثیے کی تاریخ دونوں پر Authority ہیں۔ انھوں نے تفصیلی تاریخی مقدمے کے ساتھ یہ سلام و مراثی ترتیب دیے ہیں۔ جس کے لیے میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔ اور میرے ساتھ ہی کل اولادِ عطا احمد عطا (مقیم ہندوپاک، یورپ اور امریکہ وغیرہ) کو شکر گزار ہونا چاہیے۔ اُن کی اس خدمت کا صحیح اجر بھی مولا کے دربار سے ہی ملے گا۔ میں تو اُن کی صحت کے ساتھ لمبی عمر کی دعا کر سکتا ہوں۔ تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ علمی، ادبی اور مذہبی خدمات انجام دے سکیں۔ آمین

غلامِ غلامانِ احمد مختار و عترتِ اطہار، خاکسار، تاجدار امروہی

25.06.2011

ڈاکٹر عظیم امروہوی
چیئرمین عالمی مرثیہ سینٹر، موسیٰ اپارٹمنٹ
6/اے ذاکر نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی،
9250686517-9211737918

Dr. Azeem Amrohvi
Chairman AalamiMarsia Centre
Moosa Apartment,6A Zakir Nagar
Jamia Nagar,New Delhi-110025

خاندان کمالؔ امروہی

کی

رثائی ادب میں خدمات

علم۔آلِ رسولؐ کی میراث ہے، کیونکہ انھیں علم، مدینۃ العلم (علم کا شہر) باعث تخلیق کائنات حضرت محمد مصطفیؐ سے بذریعہ باب العلم (علم کے شہر کا دروازہ) مولائے کائنات حضرت علیؑ سے ورثے میں ملا ہے۔ روز ازل سے روز ابد تک کے لیے روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کا نام علیؑ ہے اور سب سے بڑے معلم کا نام محمدؐ۔ نہ آج تک ایسے عالم و معلم ہوئے اور نہ تا روز قیامت ہوں گے۔ مرسل اعظمؐ کی یہ حدیث جس میں انھوں نے انا مدینة العلم وعلیٌ بابها فرمایا ہے۔ بے حد معنی خیز ہے خود کو شہر علم کہہ کر تمام علوم کا احاطہ کرلیا کیونکہ شہر میں ہر شے ہوتی ہے اور حضرت علیؑ کو علم کے شہر کا دروازہ کہہ کر علم حاصل کرنے کا صحیح ذریعہ بتادیا۔ یعنی علیؑ کے بغیر وہ علم حاصل نہیں ہوسکتا جو محمدؐ کے پاس ہے اور محمدؐ کے پاس پوری کائنات کا علم ہے۔

ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی بھی خطہ زمین نے ایسا بشر پیدا نہیں کیا

اور آسمان نے آج تک کسی کی زبان سے یہ نہیں سنا اور خلاؤں میں یہ اعلان کسی کی زبانی نہیں گونجا کہ جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لو اس سے پہلے کہ میں تمھارے درمیان نہ رہوں۔ سوائے باب العلم حضرت علیؑ کے سورج نے اپنی آنکھوں سے یہ دعوہ کرنے والا ایک اور صرف ایک ہی انسان دیکھا ہے۔ دنیا نے لاکھ چاہا کہ علیؑ کو لاجواب کردے اور ان کے اس دعوے کو غلط ثابت کردے لیکن لسان اللہ کی زبان پر آئے ہوئے لفظوں کی کاٹ بھی ناممکن تھی۔ صاحب ذوالفقار کی زبان سے ادا ہونے والے اس فقرے کو میدان علم کا بڑے سے بڑا شہسوار نہ کاٹ سکا اور کائنات میں منبر علوی کی زینت صرف ذات علیؑ بن سکی۔

شہر علم کے دروازے سے عصمت کی راہوں پر قطار در قطار گیارہ چراغ علم کا سلسلہ ہوتا ہوا وارث مدینۃ العلم تک پہنچا۔ علم کے ان چراغوں سے ہر ہر دور میں نہ جانے کتنے چراغ روشن ہوتے گئے۔

حضرت امام علی نقیؑ سے ہو کر یہ سلسلہ سید العارفین حضرت سید حسین شرف الدین شاہ ولایت تک آیا، جنھوں نے سرزمین امروہہ پر پہنچ کر اسے جگمگا دیا اور اس کی تقدیر بدل دی۔ وہ عارف تھے ایسے کہ سید العارفین کہلائے۔ وہ عالم تھے ایسے کہ اپنی مثال آپ تھے۔ وہ عابد تھے ایسے کہ برسوں دامن کوہ میں عبادت کی اور یاد الٰہی میں غرق رہے اور وہ صاحب کرامت تھے ایسے کہ 6-7 کرامات تو ان کی حیات میں تھیں اور ایک کرامت جو یہ آج بھی ہے جس پر انسان انگشت بدنداں ہو جاتا ہے کہ بچھو جیسا موذی اپنی فطرت کے خلاف موذی نہیں رہتا اور کسی کو اذیت نہیں پہنچاتا۔ جب کہ آج کے دور کا انسان بچھو سے زیادہ موذی ہوتا جا رہا ہے۔

حضرت شاہ ولایت کے بعد یہ سلسلہ نسل در نسل آگے بڑھتا ہے تو سید محمد منور کے گھر کو مزید روشن کرنے کے لیے سید امداد محمد کی ولادت ہوتی ہے۔ وہ

صرف نام کے ہی ابدال نہیں بلکہ حقیقت میں ابدال تھے اور اپنے عہد کی ممتاز شخصیت تھے ان کا 'ذکر تاریخ اصغری'، 'تواریخ واسطیہ'، 'تاریخ سادات امروہہ'، 'شجرات سادات امروہہ'، 'تاریخ امروہہ'، اور 'ذکرِ سادات امروہہ'، کتب سے لے کر عصر حاضر تک کے تمام مورخین نے بہت اچھے الفاظ میں کیا ہے۔ مثلاً سید اصغر حسین تاریخ اصغری میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

''سید ابدال محمد منصب دار شاہی تھے۔ نواب دُوندے خاں کے عہد میں بڑی عزت اور توقیر پائی۔ نواب ممدوح ان کو اپنا پیر کہتے تھے۔ سید موصوف نے ایک مسجد تعمیر کی اور کنواں بنایا اور شاہ عبدالرسول کا مقبرہ جن کو دہلی سے اپنے ہمراہ لائے تھے مسجد مذکور کے احاطے میں بنوایا۔ جس کا برج بہت خوبصورت ہے۔ تعلقات دنیاوی کو ترک کر کے اسی مسجد کے ایک مکان میں گوشہ نشینی اختیار کی اور چالیس برس عبادت الٰہی میں مصروف رہے۔ قرآن شریف حفظ تھا'' (تاریخ اصغری صفحہ 167)

تاریخ امروہہ کے مصنف محمود احمد عباسی نے مسجد سید ابدال محمد کا ذکر کافی تفصیل سے کیا ہے جس کی ابتداء وہ اس طرح کرتے ہیں کہ۔

''یہ خوشنما مسجد بیرون شہر متصل محلہ کٹرہ واقع ہے۔ سید ابدال محمد بن سید محمد منور نے 1141ھ میں تعمیر کرائی تھی۔ احاطہ مسجد کے شرقی و شمالی گوشے میں شاہ عبدالرسول قادری کا مقبرہ ہے۔'' (تاریخ امروہہ صفحہ 63)

سید ابدال محمد نے مسجد میں نہ صرف اپنی رہائش کے لیے علیحدہ عمارت تعمیر کرائی تھی بلکہ ایک حصہ ایسا بھی تھا کہ گزرنے والے مسافروں کے لیے جملہ آرام و آسائش کے انتظامات کرادیے تھے اور مسافروں کے لیے یک مسافر خانے کی حیثیت بھی تھی۔

سید ابدال محمد دور مغلیہ میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ اس لیے دہلی میں بھی قیام رہا۔ وہاں شاہ عبدالرسول نثار (جو میر تقی میر کے مخصوص شاگرد تھے) سے قربت حاصل ہوئی جس کی ایک وجہ تو ابدال محمد کا تصوف کی جانب رجحان تھا اور دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ نثار شاعر تھے اور ابدال محمد سخن فہم و سخن پرور تھے۔ دونوں کی یہ قربت اتنی بڑھی کہ ابدال محمد کے ساتھ شاہ عبدالرسول نثار امروہہ آ گئے۔

دیکھئے وقت کس طرح بدلتا ہے کبھی میر تقی میر کی رہنمائی سعادت امروہوی نے کی تو کبھی میر کے شاگرد نثار نے امروہہ آ کر میر پر کیا ہوا سعادت امروہوی کا احسان اس طرح چکایا کہ سعادت کے ہم وطن شعرا کی رہنمائی کا فریضہ ادا کیا۔

نثار کا امروہہ آنا تھا کہ ادھر ابدال محمد میں شعر و شاعری کے ذوق میں اضافہ ہو گیا اور فارسی کے ساتھ اردو کی جانب بھی رجحان ہوا اور ابدال محمد کے فرزند سید احمد عرف سردار احمد نے فارسی کے ساتھ اردو میں بھی طبع آزمائی کی۔ اس طرح اس خاندان کے پہلے فارسی اور اردو کے شاعر ہوئے۔ جو پانچ صدی ذات کے منصب دار شاہی بھی تھے۔

ابدال محمد نے دربار شاہ ولایت (محلہ لکڑہ) میں جو مسجد تعمیر کرائی تھی اس کی تعمیر کا قطعہ تاریخ سید عبدالرسول نثار کا ہے اور بزرگوں کی سینہ بہ سینہ ایک روایت کے مطابق عصا کا کہا ہوا ہے بہر حال وہ مندرجہ ذیل ہے۔

سید ابدال حامی اسلام مسجدے ساخت است عرش مماس
سال تاریخ از خرد گفتہ خانہ کعبہ را نہاد اساس

1141ھ

(تاریخ امروہہ صفحہ 93 ترتیب اکبر قریشی)

مندرجہ بالا قطعہ تاریخ پتھر پر کندہ ہوا آج بھی مسجد ابدال محمد کی مرکزی محراب میں

گا ہوا ہے۔ لیکن شاعر کا نام نہیں دیا۔

بہر حال نثار کے آنے سے اس خاندان میں شاعری کے چرچے بڑھ گئے اور خدا کا شکر ہے کہ آج آٹھویں نسل تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس خاندان میں تین سو سالہ قلم کا جو سفر رہا ہے اور علمی و ادبی خدمات انجام دی ہیں ان کا مکمل احاطہ کرنا سخت مشکل ہے اس لیے صرف رثائی ادب میں اس خانوادے کا جو حصہ رہا ہے اس کا سرسری ذکر کیا جائے گا۔

مورخین کا نثار کے بارے میں یہ بھی بیان ہے کہ وہ جب ابدال محمد صاحب کے ساتھ دہلی سے امروہہ آئے تو واپس نہیں گئے اور انھوں نے اپنی عمر کا کافی عرصہ امروہہ میں گذارا اور پھر امروہہ میں ہی رحلت فرمائی۔ نثار کے انتقال کے وقت ابدال محمد حیات تھے اس لیے انھوں نے مسجد کے ہی ایک حصے میں ان کی قبر تعمیر کرائی جس پر ایک شاندار گنبد بنوایا جو مسجد کے موجودہ دروازے سے داخل ہونے کے بعد داہنی جانب ہے چونکہ نثار کا انتقال 11 رمضان کو ہوا تھا اس لیے 11 رمضان کو نثار کا عرس بھی ہوتا تھا اور جو سلسلہ آج سے تقریباً 70-75 سال قبل تک جاری تھا۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ عرس کے موقع پر مسجد ابدال محمد عقیدت مندوں سے بھر جاتی تھی۔

بہر حال نثار کے امروہہ میں لمبے قیام کے سبب خاندان ابدال محمد پر ایسی عطا ہوئی کہ ان کے مخصوص شاگرد عطا ہو گئے اور پھر یہ علمی اور ادبی شجر دانتا پھلا پھولا کہ گزشتہ تین صدیوں سے امروہہ کے ادبی افق پر چھایا ہوا ہے۔ نظم اور نثر دونوں میدانوں کے نہ جانے کتنے شہسوار یہاں پیدا ہوئے۔ شاعری اور نثر نگاری کی ہر صنف سخن کی یہاں خدمت ہوئی اس کے علاوہ فلسفہ اور صحافت میں بھی اس گھرانے کا گراں قدر حصہ رہا۔ غرض کہ کوئی ادبی اور اسلامی شعبہ ایسا نہیں بچا جس میں اس نسل سید ابدال محمد نے بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیا ہو۔

عطا کے لائق فرزند سلطان احمد سلطان ہوئے۔ سلطان نہ صرف شاعر تھے بلکہ اپنے دور کی امروہہ کی ممتاز شخصیت بھی تھے۔ سلطان کا دیوان خانہ امروہہ کا اس دور میں ادب کدہ بھی تھا۔ وہاں اہل علم وادب کا اجتماع رہتا تھا۔ شعری محفلیں ہوتی تھیں۔ ادبی مباحث ہوتے تھے فن شاعری پر گفتگو رہتی تھی۔ شاعری پر تنقید وتبصرے ہوتے تھے۔ اس لیے مصحفی بھی جب دہلی سے امروہہ آتے تھے تو سلطان احمد سلطان کے دیوان خانے میں قیام رہتا تھا اور خوب خوب محفلیں جمتی تھیں۔ مصحفی نے جہاں تا حیات غزل کی آبیاری کی اور بیشتر کلام تقسیم کرنے کے بعد بھی کئی دیوان چھوڑے وہاں کئی سلام اور ایک مرثیہ بھی کہا۔ مصحفی کا ایک شعر تو کافی مشہور ہے جس میں تہذیب عزا اور مقام عزا کی اہمیت بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

یہ تعزیہ خانہ ہے حسین ابن علی کا یاں بات نہ بے جا کسی انساں سے نکل جائے

مصحفی کا ایک سلام بھی کافی مشہور ہے۔ جس کا صرف ایک شعر ملاحظہ ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ:

جو علی کا حکم نافذ نہ فلک پہ تھا تو پھر کیوں
بگہہ غروب آیا نکل آفتاب الٹا

(اوصاف علی صفحہ 34)

مصحفی کا قلمی مرثیہ رجبہ محمود آباد کے ذاتی کتب خانے میں آج بھی موجود ہے، جہاں سے نقل حاصل کر کے راقم نے اپنی تصنیف "مرثیہ نگاران امروہہ" میں شامل کیا ہے۔ جس کا مطلع اور مقطع مندرجہ ذیل ہے۔

مطلع

تسکین دل کرو مری حیدر کے واسطے
ہو تو ہوئی روح پیمبر کے واسطے

یہ نوک نیزہ و دم خنجر کے واسطے
تھا ہے حسین کا افسر کے واسطے

مقدمہ

مضطر ہے مصحفی غم [illegible] یہ مرثیہ مری عرضی و [illegible]
مدح اہلبیت کا [illegible] آزادی اس [illegible] والے

مصحفی کا یہ مرثیہ مرثیت میں ہے اور چونکہ مصحفی اہل اور رسول سے خاص عقیدت رکھتے تھے اس لیے ان سے یہ اشعار ارتشل جاتے ہیں مثلاً

مرثیہ مصحفی دست کہ ہے غم سے چھڑا دو یا ابن علی یہ بھی تو اشنا عشری ہے

(مرثیہ نگارانِ امروہہ صفحہ 96)

ہمارے اردو ادب کی تاریخ میں یہ فخر بھی صرف مصحفی کو حاصل ہے کہ تمام شعراء میں ان کے شاگردوں کا شجرہ سب سے زیادہ طویل ہے اور ان کے شاگرد خود نامور استاد ہوئے ہیں۔

یہاں ان باتوں کا ذکر کرنے سے یہ مقصد ہے کہ مصحفی جو خود بھی یک رشتی مزاج رکھتے تھے ان کے خاندان کی شاعری اور خصوصاً ان کی شاعری پر بھی شیعہ [illegible] ماحول سازگار رہا۔ مصحفی کی تو غزل پر بھی کربلا کے اثرات ہیں۔ اس وقت یہ مخصوص نہیں ہے کہ صرف یہ غزل کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔ مصحفی کہتے ہیں۔

مقتل میں اپنی جب تجھے قدر کیجئے گر
جلاد سر پہ آگیا شمشیر کھینچ کر

[illegible] یہ بات صرف [illegible] حسین پر صادق آتی ہے [illegible] مقتل [illegible] ان کا رقم [illegible]

[illegible]

بڑا مرکز بن گیا اس میں اس خانوادے کا نمایاں حصہ رہا۔ جون ایلیا نے اس کوچے کا ذکر جس میں یہ سلطان کا دیوان خانہ تھا راقم کی تصنیف میں اس طرح کیا ہے کہ:

"میری گلی میں ایک تخلیقی معصومیت کا رویہ اور ایک ابدائی طرز رفتار دیکھی گئی، کس نے دیکھا؟ میں نے دیکھا۔ اپنی گلی کا بائرن۔ یہ بائرن اس گلی کا ہے جہاں شاہ عبدالرسول نثار (شاگرد میر تقی میر) کی نشست تھی، جس گلی میں مصحفی بھی جب دلی سے امروہہ آئے تو ضرور محفل جمتی۔ جس گلی میں مفتی محمد عباس (مفتی دربار اودھ) کا بھی آنا ہوا، جس گلی میں سید باسط علی باسط سے خاص طور سے ڈپٹی نذیر احمد تشریف لائے، جس گلی میں اصغر گونڈوی اور جگر مرادآبادی کا بھی آنا ہوتا تھا۔ جس گلی میں میرے پردادا سید امیر حسن امیر سے ملنے ایران اور عراق کے علماء بھی تشریف لائے۔ جس گلی میں میرے بابا علامہ شفیق حسن ایلیا جیسا جید عالم بھی پیدا ہوا۔ جس گلی میں بھائی اصغر حسین کو ثریا جیسا عالم سائنسیات بھی ہوا جس گلی میں بھائی نقی امروہوی اور رئیس امروہوی جیسے فنکار پیدا ہوئے۔ جس گلی میں بھائی سید محمد تقی جیسے فلسفی اور صحافی نے جنم لیا۔ جس گلی نے قائم امروہوی جیسا شاعر اہلبیت پیدا کیا، جس گلی نے قمر مہدی جیسا عالمی شہرت کا مصور دنیا کو دیا۔ آج میری اسی گلی کا بائرن میرا ابھی نجد امام عظیم امروہوی ہے۔"

(رسولیات صفحہ 11-12)

عبدالرسول نثار (شاگرد میر تقی میر) اور پھر استاد الاساتذہ مصحفی امروہوی کے عہد میں امروہہ میں ایک خاص ادبی ماحول بن گیا تھا اور نہ صرف فارسی بلکہ

اردو شاعری کا سفر بھی ارتقا کی راہوں پر جاری تھا اور جس امروہہ کو مشہور سیاح ابن بطوطہ نے 1340ء میں چھوٹا خوبصورت شہر کہا تھا وہ شہر اب آہستہ آہستہ بڑا ادبی شہر بن رہا تھا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"یہاں گیسوئے اردو سنوارے گئے۔ لکھنؤ دبستان کے عظیم شاعران ناسخ اور آتش کو اس سرزمین نے استاد فراہم کیا۔ سعادت امروہوی نے میر، شہنشاہ متغزلین کو اردو شعر کہنے پر راغب کیا۔ مرزا عبدالقادر بیدل نے امروہہ ہی کے ایک شاگرد خط کو اپنا قلمدان بخشا"۔ (نگاہ فقر صفحہ 39)

محمود احمد عباسی رقم طراز ہیں کہ

"مصحفی امروہوی نہ صرف ناسخ و آتش کے استاد تھے بلکہ رثائی ادب کے دو عظیم شاعروں یعنی خلیق (والد میر انیس) اور ضمیر (استاد مرزا دبیر) کے بھی استاد تھے۔ اردو کے قدیم شاعر مرزا مظہر جان جاناں دہلی سے امروہہ آئے اور سید اسد اللہ عرف میر کلو کے مدرسے میں قیام فرمایا"۔ (تذکرۃ الاکرام، صفحہ 164)

شیخ سعید خاں سعدا امروہوی نظم شبیر کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"امروہہ کی مردم خیز سرزمین نے جہاں مختلف کسب و ہنر میں کامل و مکمل ہستیاں پیدا کیں وہاں فن شاعری میں بھی سیکڑوں شاعر شیریں بیاں و ناظم باکمال اور استاد زمانہ انسان پیدا کئے"۔

(نظم شبیر حصہ دوم، صفحہ 3)

جملہ شاعری کے علاوہ امروہہ میں رثائی ادب کا بھی ایک خاص ماحول اس دور میں شروع ہو گیا تھا۔ سید رحیم بخش نے "تواریخ واسطیہ" میں ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی نے "داستان دبیر" میں اور سید صفیہ حسن نے "نوادر قلم" میں تحریر کیا

ہے کہ میر انیس۔ ان کے بیٹے پوتے اور بھتیجے، مرزا اوج (پسر مرزا دبیر) مرزا مغل اور میر وحید وغیرہ امروہہ تشریف لاتے تھے اور اپنے مراثی مجالس میں پیش کرتے تھے۔

امروہہ کو سب سے بڑا فخر یہ بھی حاصل ہے کہ شمالی ہند کا پہلا مرثیہ نگار یعنی میر اسماعیل امروہوی امروہہ نے پیدا کیا۔

بہر حال خاندان کمال امروہی میں عہد محمد شاہی کا پہلا رثائی ادب کا شاعر سلطان احمد سلطان ہوئے۔ سلطان کی اردو شاعری کا جہاں تک سوال ہے تو غزلیات کا دیوان تو شائع نہیں ہوا۔ غزلیں ضرور کہی ہوں گی جیسا کہ ہر شاعر کے ساتھ ہوتا ہے اب یہ الگ بات ہے کہ کتنی غزلیں کہیں اور ان کا کیا ہوا لیکن راقم جب 1970ء سے 1980ء کے دوران مرثیہ نگاران امروہہ کے عنوان سے تحقیقی کام کر رہا تھا۔ سلطان کے خاندان کی بیاض اور مراثی کا بستہ جو سید رضا حیدر مرحوم (کمال امروہی کے بڑے بھائی) کے پاس تھا کیونکہ وہ سوز خوانی اور مرثیہ خوانی کرتے تھے ان سے حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس مراثی کے بستے میں سلطان کا بھی کچھ کلام تھا جس میں کچھ رباعیات اور سلام وغیرہ سلطان کے بھی تھے۔ سلطان، نثار کے شاگرد تھے۔

راقم نے اس وقت صرف ایک سلام کی بیاض سے نقل کر لیا تھا، جو مہمان کربلا، [illegible] اور [illegible] وغیرہ کی زمین میں تھا۔ اس دور کے کئی شعراء نے اس زمین میں سلام کہے ہیں جو نہ صرف اردو بلکہ فارسی میں بھی ہیں۔ بیاض چونکہ بہت قدیم تھی اس لیے کاغذ خستہ ہو گیا تھا اور کچھ الفاظ مٹنے میں بھی دشواری ہوتی تھی جو شعر پورا صحیح پڑھے جا سکتے تھے وہ اتار لئے تھے۔ سلطان کا وہ سلام مندرجہ ذیل ہے۔ ملاحظہ ہو

سلام

پہنچے جو کربلا میں وہ مہمان کربلا
پُر نور ہو گیا تھا بیابان کربلا

جب ذوالفقار چلتی تھی پیاسے حسینؑ نے
دریا لہو کا بن گیا میدان کربلا

پیاسوں نے اپنے خون سے اک دن میں سینچ کر
گلشن بنا دیا ہے بیابان کربلا

مجھے عدو کہ لائے ہیں قرآن اب حسینؑ
ہاتھوں پہ تھا جو اصغر نادان کربلا

عباسؑ و قاسمؑ و علی اکبرؑ ہیں سب مثال
یوسف تم آ کے دیکھو حسیان کربلا

اصغر کو ڈھونڈا صغرا نے ہر اک کی گود میں
پہنچے مدینے میں جو بیان کربلا

اس کو بھی پھر قرار ہو اپنے نصیب پر
سلطان کو بلائیں جو سلطان کربلا

سلطان کا یہ سلام نہ صرف پر تاثیر ہے بلکہ اس میں تبلیغی عناصر بھی ہیں، زبان کی صفائی بھی ہے اور بیان میں روانی بھی ہے۔

سلطان سے شاعری ان کے لائق فرزند تصدق حسین شاہاں کو ورثے میں ملی۔ اس خاندانی بیاض میں شاہاں کا صرف ایک ہی سلام تھا جسے راقم نے نقل کرلیا تھا۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شاہاں نے اور کیا کیا اور کتنا کہا۔ بہرحال وہی سلام پیش کیا جارہا ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

سلام

محمدؐ کا نواسہ کربلا میں
تھا بھوکا اور پیاسہ کربلا میں

سرِ شبیرؑ نے ٹھکرا دیا ہے
جو تھی بیعت کا کاسہ کربلا میں

تھی دریا تو، مگر اصغرؑ کی خاطر
نہ تھا پانی ذرا سا کربلا میں

علی کے لال کا لب تک رہا ہے
وہاں کوئی شناسا کربلا میں

عجب یہ ہے تجرّی دنیا میں کوئی
نہیں دیتا دلاسہ کربلا میں

خدا تو بھیج دیتا کوئی بادل
کہیں سے بارہ ماسہ کربلا میں

گلا کٹوا کے باطل کو مٹایا
کیا یوں ستیا ناسہ کربلا میں

چھمابھ تیر کی کر مسکرا کر
ستم کا پلٹا پاسہ کربلا میں

اس سلام میں شاہیں کا مقطع تو نہیں تھا، لیکن جس بیاض میں تھا وہاں ان کا نام تصدق حسین اور تخلص شاہیاں سلام کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔

مندرجہ بالا اشعار کے علاوہ دو شعر اور بھی تھے جو 'اثاثہ' اور 'خاصہ' قافیوں میں تھے جو ظاہر ہے کہ صوتی قوافی تھے اس لیے شاہیاں نے شعر تو کہے لیکن کاٹ دیے تھے۔ 'خاصہ' قافیہ جس شعر میں تھا وہ نظر کا وہ حصہ خستہ اور دھندلا تھا جو سمجھ میں نہیں آ سکا۔ البتہ 'اثاثہ' قافیہ پر مندرجہ ذیل شعر تھا۔

بچانے دین لے کر آ گئے ہیں
حسین پنج اثاثہ کربلا میں

بہر حال سلام کے مطالعے سے شاہیاں کی قادر الکلامی ظاہر ہو رہی ہے اور ایسا سلام کہنے والے شاعر نے یقیناً اور بھی سلام و نوحے ضرور کہے ہوں گے اور ممکن ہے کوئی مرثیہ بھی کہا ہو لیکن یہ وقت کی ستم ظریفی کہ کلام محفوظ نہ رہ سکا۔

اس سلام میں 'کاسہ' بطور قافیہ استعمال ہوا ہے اور بیعت کا کاسہ کہا ہے۔ یہ اصطلاح یا ترکیب کاسہ بیعت جو آج کا شاعر استعمال کر رہا ہے یہ شاہیاں کے ہاں تقریباً ڈھائی سو سال پہلے ملتی ہے۔ اس سلام سے شاعر کی زبان کی صفائی

کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ ایک ملاقات میں جون ایلیا سے راقم نے شاہیاں کے کلام کی بہت تعریف کی تھی اور اس کے محفوظ نہ رہنے پر افسوس بھی کیا تھا۔ شاہیاں نے امام کے معجزات کو "حدیقۃ الایمان" نام سے نظم کیا تھا۔

شاہیاں کے علمی اور ادبی وارث ان کے لائق فرزند سید میر حسن امیر ہوئے۔ امیر کی مورخین نے بہت تعریف کی ہے کسی نے سلیم الطبع لکھا ہے۔ کسی نے قادر الکلام کہا نے مورخ ارکی نے ممتاز اہل علم وغیرہ وغیرہ، آپ کے بارے میں سید رحیم بخش تحریر فرماتے ہیں کہ:

"یہ بڑے موقر، معزز، محترم و کامل بزرگ کے مجتہد ہیں۔ کتب فارسی علم و ہیئت خوب جانتے ہیں۔ مرنج مرنجان ہیں۔ سب ان کو مانتے ہیں۔ ذی وقعت و ذی مقدرت ہیں۔ ایک کتاب ترجمہ روضۃ الشہداء ان کی تصنیف بہت خوبی و فصاحت روزمرہ سے مل کر حسن عبارت و لطیف مضامین سے بھری ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جس مقام پر فارسی اشعار روضۃ الشہداء میں مرقوم ہیں اسی بحر و وزن کے مضمون کے شعر اردو کتاب ترجمہ میں لکھ دیئے ہیں۔ انھوں نے اپنی تصنیف سے ثابت کیا ہے اور قصائد و اشعار و خوبیت و مدح بھی ان کے عمدہ مصنفات سے ہیں۔ مدینۃ تاریخ دلی میں بھی اچھا لکھتے ہیں۔" (تواریخ حبیبیہ صفحہ 513)

میر حسن امیر کی ولادت تقریباً 1830ء میں امروہہ میں ہوئی اور وفات 1910ء میں امروہہ میں ہی ہوئی اور اپنے خاندانی قبرستان جو مسجد بدال محلہ سے ملحق ہے اس میں دفن ہوئے۔ یہی سن ولادت و وفات تذکرہ مرثیہ نگاران رائے مصنف مرزا امیر علی بونچوری نے جلد دوم کے صفحہ 153 پر تحریر کی ہے۔ میر صاحب نے مراثی، نعت، قصائد، قطعات و رباعیات ہر صنف میں طبع

آزمائی کی ہے۔ ان صناف کے ساتھ ہی غزلیں بھی کہی ہیں۔ جو اس دور کے مشہور رسالے 'پیام یار' میں شائع ہوئی ہیں۔ صرف ایک غزل کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

بار شمشیر سے دکھ جائے سر دست نہ ہاتھ
تیغ ابرو سے فقط قتل کرو تم مجھ کو
کھل گئے غنچہ نمط آپ گل زخم امیر
آگیا یاد جو قاتل کا تبسم مجھ کو

ماہنامہ 'پیام یار' اکتوبر 1884ء

مولائے کائنات کی مدح میں منقبت کے تین اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔ امیر کہتے ہیں

محرم راز حق علی ولی — واقف سر رب لم یزلی
کاتب نقش نامہ تنزیل — خازن گنج خانہ حدیث
عاشق ان کے رسول سو جاں سے — ہیں وہ داماد اور وصی نبی

(تذکرہ شعرائے مرادآباد، مصنف نقوی، کراچی پاکستان، صفحہ 272۔)

امیر کی ایک رباعی جو ان کے خاندانی شجرے سے راقم نے حاصل کی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔ یہ رباعی بھی مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی کی مدح میں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

زیب دین و اسلام و ایماں ہے یہ نام — آرام دل و راحت جاں ہے یہ نام
قربان علی کے نام نامی کے امیر — ایمان کا نام اور نشاں ہے یہ نام

امیر کے بارے میں بزرگوں کی زبانی یہ سنا گیا ہے کہ انھوں نے کئی اہم تصانیف یادگار چھوڑیں لیکن راقم کی نظر سے صرف "مطلع الشمس" (ثمرہ مفت بند کاشی) ہی گزرا ہے جس کا سن تصنیف 1316ھ ہے اور سن طباعت 1317ھ ہے

اور مطبع ریاض صفدری امروہہ نے شائع کیا ہے۔ شاعری کے علاوہ میر نے ترجمے کا کام بھی کیا ہے یعنی آپ نے ملا واعظ حسین کاشفی کی مشہور فارسی تصنیف ''روضۃ شہدا'' کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس ترجمے کی یہ خصوصیت ہے کہ حصہ نظم کا منظوم ترجمہ ہے اور حصہ نثر کا نثر میں ترجمہ ہے۔ اس ترجمے میں زبان کی سادگی پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے۔ اور 'روضۃ الشہدا' کے اس اردو ترجمے کو امیر اپنے دور حیات میں خود 25 ذی الحجہ سے روز شام کو اپنے دیوان خانے میں پڑھا کرتے تھے اور اہل محلہ مرد و خواتین سننے کے لیے جمع ہوتے تھے اور خوب گریہ ہوتا تھا۔ طریقہ یہ تھا کہ ایک جانب مرد اور دوسری جانب خواتین بیٹھتی تھیں درمیان میں پردہ ڈال دیا جاتا تھا۔ امیر کے بعد 'روضۃ الشہدا' کو پڑھنے کی روایت ان کی اولاد نے جاری رکھی۔ یعنی نصیر حسن نصیر، نفیس حسن نفیس، فیض حسن بدر، شفیق حسن ادیب، وحید حسن وحید، سید رضا حیدر، کمال امروہوی، رئیس امروہوی، سید محمد تقی، جون ایلیا اور شمیم رضا نے اس سلسلے کو جاری رکھا۔ راقم نے بھی اپنی کم سنی میں اس پروگرام میں شرکت کی ہے۔ اس کتاب کے ترجمے کا نام بارش خون ہے۔

جہاں تک میر کی مرثیہ نگاری کا تعلق ہے تو ان کے خاندانی بستے میں کوئی بھی مکمل مرثیہ نہیں تھا۔ کاغذ کی خستگی کے سبب اوراق منتشر تھے اور اکثر کاغذ خستگی کے سبب پیوند ہوتے تھے جس کی وجہ سے انھیں سلسلہ وار یکجا کرنا اور ترتیب دینا ممکن نہ تھا۔ نہ کوئی مقطع کا بند ملا۔ کا صرف ق (قتا) کے ہر ورق پر تحریر سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ مراثی امیر کے ہیں۔ کیونکہ اس پر تحریر تھا ''مراثی سید امیر حسن امروہوی'' بہرحال ان صفحات کو بحر کی مناسبت سے جب الگ کیا تو معلوم ہوا کہ کل مراثی تھے کہ ایک بحر میں صرف ایک مرثیہ ہو، ان بندوں میں رجز، رخصت، اذان جنگ، خیمے میں گفتگو اور پسران جناب زینب

سے ماں کی ناراضگی اور دیگر مکالمے ہیں۔

حضرت عباسؑ کے رجز کے دو بند ملاحظہ ہوں۔ امیر کہتے ہیں کہ۔

مشہور خلق ہم بنی ہاشم کے ماہ ہیں
نور خدائے پاک کے نور نگاہ ہیں
ہم حاملِ نشانِ شہ کم سپاہ ہیں
اور ہم ہزبر بیشۂ شیرِ الٰہ ہیں

کس کی ہے تاب ہم سے کوئی ہم نبرد ہو
دیکھیں نگاہ قہر سے جس کو وہ سرد ہو

او غافلو! کنندۂ خیبر ہمیں تو ہیں
او موزیو! درندہ اژدر ہمیں تو ہیں
روح الامیں کے قاطع شہپر ہمیں تو ہیں
جن کا نہیں نظیر وہ صفدر ہمیں تو ہیں

ہم وہ ہیں جن کو چرخ سے تلوار آتی ہے
وہ ہا ہمارا مائتی، ساری خدائی ہے

ان دونوں بندوں میں جو زور بیان اور صفائی زبان ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ رجز جس چیز کا متقاضی ہوتا ہے وہ ان بندوں میں پوری طرح موجود ہے۔ حضرت عباسؑ کے تیور ہر مصرعے سے جھلک رہے ہیں۔ نور خدائے پاک کے نور نگاہ کہہ کر پنا مرتبہ اور مقام بیان کر دیا ہے۔ لیکن یہ ایک مصرع کی تعریف حضرت عباسؑ کی پوری دنیا سمیٹے ہوئے ہے جسے پڑھ کر پورے خلد میں ورم محسوس ہوتا ہے اور عظمت ممدوح بھی سمجھ میں آتی ہے۔ نگاہ قہر سے دیکھ کر ... ایک جانب رعب و جلال کی دلیل ہے تو دوسری جانب مضمون کی جدت بھی ہے۔

محاورہ کا خوبصورت استعمال بھی ہے۔

گلے بند میں وغافلو! ور دموزیو! کہہ کر یزیدی فوج کے سپاہیوں کو مخاطب کیا ہے۔ اس تخاطب میں بھی ایک دبدبہ اور رعب ہے اور پھر حضرت علیؑ کا کلہ اژدر کو جیتنے اور جبریل کے شہپر پر ذوالفقار کا نشان پڑجانے والے تاریخی واقعات کا حوالہ خاندانی شجاعت کو بیان کرنے کا ذریعہ بنائے ہیں۔ رب کی تلوار کا آنا اور خدائی کا لوہا ماننا نہ صرف قابل فخر کہا یا ہے بلکہ صنعت رعایت لفظی سے بھی سجا دیا ہے۔

میر نے ایک مرثیے میں حضرت علی اکبر کا رجز کافی تفصیل سے بیان کیا ہے چند بند ملاحظہ ہوں۔

پسر حسینؑ علی کا ہوں اور علی ہوں میں
ولی حق کے ولی عہد کا ولی ہوں میں
ابنؑ داورِ سجادؑ متقی ہوں میں
نبی نہیں، ولے ہم صورت نبیؐ ہوں میں

ہوں سبطِ شاہِ عجم، جد شہِ عرب میرا
عرب، عجم پہ ہے روشن حسب نسب میرا

جو فاطمہؑ کی ہے جاں، اس کی جان ہے اکبر
علیؑ سے نام و نشاں کا نشان ہے اکبر
نہیں جس کا نہیں وہ جوان ہے اکبر
جہاں میں خالق اکبر کی شان ہے اکبر

بگوش ہوش سنو یہ ہے احترام مرا
اذاں میں اسمِ الٰہی سے ضم ہے نام مرا

یہ دی ہے حق نے مجھے قوت جداں وقتال
کہ میرے سامنے رستم سا پہلوان ہے زاں
پڑا ہے گور میں بہرام میرے ڈر سے نڈھال
کرو مقابلہ میرا تمہاری کیا ہے مجال

بگاڑی مجھ سے تو نقش فنا بنادوں گا
تمہارے خون کا دریا ابھی بہادوں گا

ان بندوں میں بھی ایک عجیب شان ہے اور بزرگوں کے حوالے سے جو حضرت علی اکبر نے اپنا ذکر کیا ہے اس میں بزرگوں کی منقبت ہے دوسرے اور تیسرے بند میں صرف اپنا ذکر کیا ہے۔ ولی حق کے ولی عہد کا ولی اور ہمصورت نبی کہہ کر نہایت بلیغ انداز میں فضیلت بیان کی ہے۔ حضرت علی اکبر کی والدہ چونکہ عجم سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس لیے حسب ونسب، عرب وعجم کے حوالے سے ایک بے مثال فضیلت بیان کی ہے جس کا جواب ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔

رجز میں عام طور پر بزرگ مردوں کی شجاعت اور ان کے واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ لیکن میر نے دیکھئے دوسرے بند کے آغاز میں ان کا اپنا تعارف دختر رسول اور نواسی رسول کے حوالے سے کیا ہے۔ دوسرے بند میں فضائل کے بیان کے بعد تیسرے بند میں تیور بدلے ہوگئے ہیں اور رستم و بہرام کے ذکر کے ساتھ اپنی شجاعت کا ذکر کیا ہے۔ اور ان دونوں کو نہایت کم تر دکھایا ہے۔ بند کی بیت میں ایک طرح کی Warning دی گئی ہے اور بگاڑی اور بنادوں یہ دو الفاظ استعمال کر کے مناسبت لفظی کا بھی اچھا استعمال کیا ہے۔ رستم اور زال میں رعایت معنوی ہے۔

غرض کہ میر کے مراثی کے رجز کے صرف یہ پانچ بند ہی ان کے لہجے کی کاٹ زبان کی صفائی اسلوب کی دلکشی تیوروں کا تیکھا پن اور مکمل قادر الکلامی کا ثبوت ہیں۔

وہ مرثیہ کہنے پر پوری طرح قادر تھے اور مرثیے پر ان کی مضبوط گرفت تھی کاش وہ تمام مراثی محفوظ رہ جاتے تو ہمارے ادب میں یک بیش قیمت سرمایے کا اضافہ ہوتا۔ شاید کہیں ان کی نقلیں پہنچی ہوں تو کیا اچھا ہو وہ سامنے آجائیں۔

ایک مرثیے کے دو تین بندوں میں حضرت عباسؑ کی میدان جنگ کے لیے امام سے اجازت مانگنا اور پھر امام کا ذن دینا ملاحظہ ہو امیر کہتے ہیں کہ:

بھائی عباسؑ کرو شہ کی مصیبت پہ نگاہ
بھانجے ہیں، نہ بھتیجے ہیں، نہ باقی ہے سپاہ
ہر طرف دیکھ کے رو دیتے ہیں با نالہ و آہ
قابل رحم ہے اب حال امام ذی جاہ
بھائی کی زیست کا ہوتا ہے سہارا بھائی
تم نہ ہوگے تو جئے گا نہ تمہارا بھائی

اے شجاعؑ ازلی اے اسد شیر خدا
ہے مرے لخت جگر تم پہ ہو شبیرؑ فدا
نہ رضا دینے پہ تم ہوگئے بھائی سے خفا
خیر گر ہے یہی مرضی تو کرو عزم وغا
راہ حق میں ہمیں سب کچھ ہے گوارا بھائی
جاؤ اللہ نگہبان تمہارا بھائی

تم کو بچپن میں طرح بھائی نے پالا بھائی
تجھ کو آنکھوں کی ضیا گھر کا اجالا بھائی
نام حق تم نے جو اب تک سنبھالا بھائی
[illegible] جاتے ہو مرا ہر تہہ و بالا بھائی

حیف صد حیف تمھیں ہاتھوں سے کھوؤں عباسؑ
تم نہیں روؤ مجھے، میں تمہیں روؤں عباسؑ

ہر بند میں ایک خاص مرثیائی فضا ہے جو قاری کو نہ صرف یہ کہ کربلا کے دشت میں پہنچا دیتی ہے بلکہ وہ وہاں سے ہٹ نہیں پاتا۔

ان بندوں میں امام کی پریشانی، تنہائی کا احساس، ایک بھائی کے لیے دوسرے بھائی کی قوت اور پھر راہ حق کی جانب قدم اٹھ رہے ہیں اس لیے رضا دینے کی مجبوری اور پھر یہ کہہ دینا کہ:

ع۔ جاؤ اللہ نگہبان تمہارا بھائی

کس قدر فطری ہے اس میں ایک خاص بے کسی کا لہجہ چھپا ہوا ہے۔

آخری بند کی بیت جنگ کی اجازت نہ دینے کے لیے اتنی مدلل ہے کہ جس کا جواب نہیں یعنی یہ کہنا کہ

ع۔ تم نہیں روؤ مجھے، میں تمھیں روؤں عباسؑ

اجازت جنگ نہ دینے کے لیے سارے عذر اور مجبوریاں اپنی جگہ لیکن یہ دلیل سب پر بھاری تھی جو تینوں امیر کی ذہانت کی بھی دلیل ہے۔

صرف ایک بند پر ان جناب زینب یعنی عون و محمد کی طلب اذن کے سلسلے میں ملاحظہ ہو جس میں طلب اذن پر امام فرماتے ہیں کہ

اے عون و محمد میں کہوں مرنے کو جاؤ
پھل برچھیوں کے آہ تم اس بھوک میں کھاؤ
میں آنکھوں سے دیکھا کروں تم خوں میں نہاؤ
ماں باپ کو شادی کے عوض داغ دکھاؤ

ماموں تمھیں مرنے کی رضا دے یہ نہ ہوگا
شمشیر کی دولت کو بڑھا دے یہ نہ ہوگا

پر ان جناب زینب جب نصرت حق میں تاخیر کرتے ہیں تو اس موقع پر عون و محمد سے جناب زینب اظہار ناراضگی کرتی ہیں۔ امیر کی ربانی بچوں سے ماں کا غصہ ملاحظہ ہو۔

ان دونوں سے کہہ دو کہ وہ اب گھر میں نہ آئیں
راضی نہیں میں مجھ کو وہ صورت نہ دکھائیں
گھر باپ کا جا کر وہ مدینے میں بسائیں
اور یاد مری بچوں سے اب دل میں نہ لائیں
میں غیر وہ میں نظروں سے اب ان کی نہاں ہوں
بیٹے ہیں وہ میرے نہ میں ان دونوں کی ماں ہوں

یہاں بچوں سے ماں کی ناراضگی کتنی فطری انداز میں بیان کی ہے۔ یہ قربانی بچوں کو چونکہ ماموں کے ساتھ دینی تھی۔ یعنی جناب زینب کے بھائی امام حسین کے حکم پر اور ان کے ساتھ۔ اب یہاں ناراضگی کے موقع پر ماں کا یہ کہنا کہ

گھر باپ کا جا کر وہ مدینے میں بسائیں

ایک عورت کی کتنی فطرت کے مطابق ہے۔ اور امیر کا نسوانی فطرت سے واقف ہونے کا ثبوت ہے۔

[illegible] بندوں میں ایک ماں کے وہ جذبات ہیں کہ جب بچے نصرت امام میں تاخیر [illegible] تب ان سے ناراضگی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اب ایک دوسرے [illegible] ایک دوسری ماں کے جذبات بھی ملاحظہ ہوں کہ جب نوجوان فرزند [illegible] کے جانے کے وقت ماں کے دل پر کیا گزرتی ہے اور وہ دکھ بھری

ماں اپنے کمسن جوان بیٹے سے اس طرح مخاطب ہوتی ہے۔ میر کہتے ہیں کہ:

اے بانوئے بیکس کے جگر شاہ کے دلبر
کیا تم نے پیام آہ سنایا مجھے اکبر
یہ دھیان نہ آیا تمھیں مرجائے گی مادر
باؤ سے کرو تم یہ سخن وائے مقدر

کہتے ہو یہ ماں سے کہ ہمیں رن کی رضا دے
اکبر مجھے اس جینے سے اب موت خدا دے

مادر تمھیں مرنے کی رضا دے، یہ نہ ہوگا
اک عمر کی دولت کو لٹا دے، یہ نہ ہوگا
ہاتھوں سے تمھیں آہ گنوا دے، یہ نہ ہوگا
گھر کا چراغ اپنے بجھا دے، یہ نہ ہوگا

ٹھوکر تمھیں اے [illegible] پائے گی بانو
جانے کا لیا نام تو مرجائے گی بانو

ایک ماں کی نفسیات، اس کی تڑپ، اس کی بے چینی اور اس کا جو اضطراب ہے [illegible] ماں کیا جا سکتا ہے اور ان حالات سے ایک ماں جو زندگی سے بیزار [illegible] پر مجبور ہے۔

[illegible] اس جینے سے اب موت خدا دے

[illegible] ماں کی یہ [illegible]
[illegible] بہت مشکل ہے۔

[illegible] گھر کا چراغ اپنے بجھا دے، یہ نہ ہوگا

یہ مصرع وہ ہے کہ جس کے بعد ایک بیٹا ماں کے سامنے لاجواب ہو جائے۔
جب امام حسینؑ مدینے میں کربلا کے سفر کی تیاری کرتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو جو ہمراہ جاتے ہیں ان سے تیاری کو کہتے ہیں تو ایسے موقع پر امام کی وہ بیٹی جو بیمار ہے یعنی فاطمہ صغرا انھیں بیماری کے سبب کربلا لے جانا نہیں چاہتے۔ یہ معلوم ہونے کے بعد والدہ فاطمہ صغرا پریشان ہوتی ہیں اس کیفیت کو امیر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

کہنے لگی یہ سنتے ہی بانوئے نیک نام
کیونکر اکیلے گھر میں رہے گی وہ بیمار
صغرا کے حال زار پہ ہے رحم کا مقام
بیٹی مری بھی ساتھ ہوتی جاتی ہے تمام
جب سے سنا ہے سید ابرار جاتے ہیں
چل کر تو دیکھنے اسے غش پہ غش آتے ہیں

یہ گفتگو ایک خاص فضا کی پیش کرتے ہوئے ہے اور بندش بیت قوی کات کا بھی ایک اچھا نمونہ ہے اور پورا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔
آخر میں میر نے ایک مرثیے سے صرف ایک بند اور ملاحظہ ہو۔ جس میں امام حسینؑ کی مسنی اور پرورش کا ذکر کیا ہے۔ لیکن مرثیے کے اس ذکر میں فضائل بھی شامل ہوتے ہیں۔ مدح کے بند میں امیر کہتے ہیں کہ

زب تقدیر وشان نور چشم ساقی کوثر
نبی نے دی مثل ان کا سوئے حضرت شبر
نبی چھوتے تھے انھیں کاندھے پہ اپنے روز پیغمبر
نبی کی تھیں زہرا اور بھی آغوش میں حیدر

کبھی روح الامیں شہزادے کا گہوارہ جنباں تھا
یہ عمدہ پرورش کا سبط پیغمبر کی ساماں تھا

امیر حسن امیرؔ کے مراثی کے مندرجہ بالا بندوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ ماننا پڑتا ہے کہ انھیں مرثیہ گوئی میں خاص مہارت حاصل تھی اگر ان کے مراثی صحیح وقت پر زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آتے تو امیرؔ آج مرثیہ نگاروں کی فہرست میں ایک مقام کے مالک ہوتے۔

امیر حسن امیرؔ کے فرزند سید نصیر حسن نصیرؔ کو بھی شاعری سے نہ صرف لگاؤ تھا بلکہ یہ صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ گھر کا ماحول اور بزرگوں سے خون میں ملی ہوئی صفات و خصوصیات ظاہر ہے کہ شعر کہنے نہ کہتے۔ لیکن ان کا رجحان زیادہ تر مسمط اور مذہبی شاعری کی جانب رہا۔ گھر میں بچپن سے ہی ادبی بحث و مباحثہ کے علاوہ مذہبی موضوعات پر گفتگو سننے کا اثر یہ ہوا کہ انھوں نے بھی آغاز جوانی سے ہی اسلامی شاعری میں طبع آزمائی کی۔ ظاہر ہے کہ جب اسلامی تاریخی واقعات سننے وہیں سے۔ قرآن پر گفتگو ہوگی، تفسیر کا ذکر ہوگا۔ احادیث کا بیان ہوگا۔ معصومین کی عبادت کی محفلوں میں شرکت ہوگی۔ ایام عزا یعنی تقریباً سوا دو مہینے مجالس سننے اور سلام اور مرثیہ سننے کا موقع ملے گا تو ایسے ماحول میں جو شعور پرورش پائے گا وہ سلام، مراثی اور نعت و منقبت ہی کہے گا۔ یہی سب کچھ نصیرؔ کے ساتھ بھی ہوا۔

بہر حال اس خاندان کے بستے میں سے حاصل یہ ہوا نصیرؔ کا ایک سلام مندرجہ ذیل ہے۔

سلام

اے مجرئی حسینؑ کا غم یادگار ہے
سرخی سے آسمان کی بھی آشکار ہے

اے ظالمو! رسولؐ کی جو یادگار ہے
برچھی کا پھل کلیجے سے بھی آر پار ہے

برچھی جگر پہ کھائی ہے نرمل جوان نے
دکھیاری ماں کا خیمے میں سینہ فگار ہے

دو بوند صرف پانی پلادو اسے تم اب
اے ظالمو! رباب کا یہ شیر خوار ہے

گردن پہ جس کی ہے ترا خنجر یہ سوچ لے
شمرِ لعیں یہ دوشِ نبیؐ کا سوار ہے

پیروں میں اک مریض کے بیڑی ہیں ہتھکڑی
گردن کا طوق بھی تو بہت خاردار ہے

صغرا کو کیا خبر کہ لٹا گھر رسولؐ کا
اس کو تو سب کے آنے کا اک انتظار ہے

جو غم ہے کربلا کے شہیدوں کا اے نصیرؔ
اس پر زمیں کے ساتھ فلک اشکبار ہے

نصیرؔ کا تذکرہ مورخین نے بہت اچھے الفاظ میں کیا ہے۔ انھیں اہل علم، بااثر اور ممتاز شخصیت لکھا ہے۔ صاحب تواریخ واسطیہ ان کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"یہ عربی خواں، فارسی داں، خوش خط، شیخ دار، نیک کردار ہیں"

(تواریخ واسطیہ از سید رحیم بخش، صفحہ 513)۔

اس سے ظاہر ہے کہ نصیرؔ نہ صرف اردو بلکہ فارسی اور عربی کا بھی علم رکھتے تھے۔ نصیرؔ خود صرف ایک اہل علم ہی نہیں تھے بلکہ انھوں نے اپنے چاروں پسران کو بھی اچھی تربیت دی تھی ان کے چار پسر تھے اور چاروں ہی شاعر بھی ہوئے یعنی نفس حسن نفیسؔ، انجم، انیس حسن بلالؔ، شفیق حسن ایماؔ و فتحؔ اور وحید حسن وحیدؔ و ندا۔ چاروں فرزندان نصیرؔ لائق نامور اور اہل علم ہوئے۔

علمی و ادبی خدمات کے علاوہ آپ قومی اور سماجی خدمات میں بھی حصہ لیتے تھے۔ اس لئے امروہہ میونسپل بورڈ کے ممبر بھی رہے اور بحیثیت ممبر نمایاں خدمات بھی انجام دیں۔ دراصل آپ کو امروہہ کے عوام میں بھی ایک ہر دلعزیزی حاصل تھی۔ جس کی ایک وجہ عوامی خدمات تھیں تو ایک وجہ حسن اخلاق بھی تھا۔ نصیرؔ کے فرزند علامہ شفیق حسن ایماؔ نے ڈائری بھی لکھتے تھے جو کہ زمانے میں ان کے بعد ان کے چھوٹے پسر جون ایماؔ کے پاس تھی اس ڈائری کے مطابق نصیرؔ کا انتقال 19 ماہ صفر 1341ھ مطابق 21 اکتوبر 1922ء امروہہ میں ہی ہوا اور آپ کی عمر 69 سال ہوئی۔

نصیرؔ کے انتقال پر شعرائے امروہہ نے قطعات تاریخ وفات کہے۔ اس دور کے مشہور شاعر سید علی تمکینؔ تمکینؔ امروہوی کے قطعہ تاریخ کے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں جن میں تمکینؔ نے نصیرؔ کے پسران نفیسؔ، انیسؔ، شفیقؔ اور وحیدؔ کے

ناموں کا بھی خوبصورت استعمال کیا ہے۔

وحید عصر تھے اخلاق و حلم میں مرحوم
شفیق آل و احمیان دیں کے انیس

برنگ گل تھے وہ ہر دل عزیز خندہ جبیں
غم حسین میں پڑھتے تھے یہ کتاب سیس

نزارے تم کے کس لطف سے ہتر سال
جوان و پیر و مسن کے بحسن خلق جبیں

بہ حد ریت میانہ روی کی چپ چپ
امیر کے تھے پسند و پر نہ تھا مزاج رئیس

برائے سال یہ ہاتف نے دی صدا تفسیر
بنا نصیر حسن کو جناں میں قصر نفیس

1341ھ

(یہاں ایک شعر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نصیر مجلس میں ذاکری بھی کرتے تھے)

[illegible] نصیر کے چار [illegible] فرزند شاعر ہوئے [illegible] حسن نفیس، انیس حسن [illegible] شفیق حسن [illegible] وحید حسن وحید ان میں سب سے بڑے تھے جو [illegible] [illegible] صاحب [illegible] اخلاق کے [illegible] تھے [illegible] شعر بھی کہتے تھے لیکن [illegible] صاحب [illegible] [illegible] کے [illegible] نہیں [illegible] علمی [illegible]

میں امین بنوارہ کے عہدے پر بھی فائز رہے۔

ایک طرف والد، دادا، پردادا مرسب بھائی شاعر تھے تو دوسری جانب خسر سید آل محمد قدسؔ بھی امروہہ کے اپنے عہد کے ممتاز شاعر اور مرثیہ نگار تھے۔ اس طرح آپ چاروں جانب شعر و شاعری کے ماحول سے گھرے ہوئے تھے۔ نفیسؔ کی ولادت انیسویں صدی کے ربع سوم میں ہوئی تھی۔ لیکن صحیح سن ولادت نہیں ملتی اور ایک بھی تحقیقی تقریباً سو سال زندہ رہے۔ راقم نے اپنی کمسنی میں نفیسؔ کو بہت قریب سے دیکھا ہے کیونکہ ان کا دولت خانہ راقم کے نانا سید اختر حسین مرحوم کے مکان سے صرف دو ڈھائی گز کے فاصلے پر تھا اور آمنے سامنے صدر دروازے تھے۔ لیکن نفیسؔ کی عمر کا وہ دور رہا تھا کہ بہت نحیف و لاغر تھے لیکن اس کے باوجود حوصلہ مند تھے اور مسجد ابدال محمد روز جاتے تھے، کیونکہ آپ مسجد کے متولی بھی تھے۔

نفیسؔ نے جد علی حضرت سید حسین شاہ ولایت سے لے کر اپنے دور تک کا خاندان کا شجرہ بھی تیار کیا تھا جو کئی خطوط کے قلم سے لکھا ہوا تھا اور جو راقم کی نظر سے بھی گذرا تھا۔ شجرہ کی پیشانی پر ان کا مندرجہ ذیل شعر بھی تحریر تھا۔

تاریخ نفیسؔ کر یہ تحریر
طوبیٰ کا شجر ہے شجرۂ میر

1315ھ

اس تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفیسؔ نے یہ شجرہ اپنی جوانی میں تیار کیا ہوگا اور اس وقت یہ تاریخ لکھی ہوگی۔ نفیسؔ چونکہ لاولد رہے اس لیے اس کا کلام بھی محفوظ نہیں رہ سکا جب اولاد نہیں ہوئی تو وہ معنوی بھی محفوظ نہ رہ پائی۔ چھوٹے بھائیوں کا ان سے پہلے ہی انتقال ہو گیا۔ سب سے چھوٹے بھائی وحید آخری عمر میں بصارت سے محروم ہو گئے تھے۔ نفیسؔ کے چند مضامین اور چھ قصائد و سلام مرثیہ

کے قدیم جریدے "الایمان" میں راقم کی نظر سے 40-45 سال قبل شیعہ مسلمان ایبریری مرو میں گذرے تھے۔ وہ کتب خانہ پوری قوم کی یک تاریخی کتاب تھا۔ اس کتب خانے کے ضائع اور تلف ہونے کا ملال جتنا بھی کیا جائے تو وہ بھی کم ہے۔

بہر حال نفیس کا مختصر رثائی اور منتخبی کلام حاصل ہو سکا۔ یک نظم جو کربلا کی شیر دل خاتون فاتح کوفہ و شام بخت شیر خدا شہید عظمہ امام حسین کی بہن کے بارے میں ہے۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ نفیس کہتے ہیں کہ

رسول اللہ نانا ہیں خدیجہ جس کی ہیں نانی
بہن حسنین کی ہے فاطمہ زہرا کی ہے جانی

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

مصائب جھیلتی چھ کربلا سے شام جانے کی
رہے ہیں راستے میں سب یتیموں کی نمہانی

جو تم ہو یاد رکھے راہ کوفہ میں یہ رہنے کی
تمہاری پشت پہ ہیں سب رسول خدا کی بانی

یہ بی بی مر بھر غم میں تمہارے خون روئے گی
کرے گی تا حیات اپنی تمہاری مرثیہ خوانی

محبت اپنی تھی اس کو نہ بھولیں یاس جانی کی
نہ ہوئے ہوئے پیتی نہ تھیں زینب بھی پانی

شہادت کو حسین ابن علی کی سب چھپا دیتے
یہ بی بی نہ تھی اپنے [illegible]

ہزار افسوس جو ہو چادر تطہیر کی مالک
[illegible]

عیش اب حضرت زینب سے میری التجا یہ ہے
زیارت کو بلائیں مجھ کو وہ اپنی بہ آسانی

نفیس کے ان اشعار میں رثائیت کے ساتھ ساتھ مدح و منقبت بھی اور تاریخ کا بیان بھی ہے۔ ابتدا میں سرورِ کائنات (نانا) اور ملیکۂ عرب جناب خدیجہ (نانی) کے ذریعے تعارف کرا کے عظمتِ زینب کا اظہار کیا ہے اور دوسرے ہی مصرعے میں سرداران جوانانِ جنت (حسنین) کی بہن اور خاتونِ جنت (جناب فاطمہ) کی دختر کہہ کر تعارف کو بھی مکمل کر دیا ہے۔ یہ وہ عالی مقام اور بلند مرتبہ ذاتِ مقدسہ ہیں کہ عرشِ اعظم بھی جن کے در پر سجدہ کرے۔ کہکشاں قدم چومے۔ ماہتاب یک شمارے سے دو ہو جائے۔ آفتاب تعمیلِ حکم میں الٹے پیروں واپس آئے اور ستارہ ان کے عظمت کدے کا طواف کرے۔

اب یہ اوصاف و فضائل خصوصیات و صفات بتانے کے بعد نفیس کہتے ہیں کہ افسوس امت نے ان کی قدر نہیں کی۔ اگر صفحۂ نامہ پر افسوس کا اظہار کرتے تو شعر میں یہ تاثر نہ ہوتا جو اب ہے۔ رسول اور خدیجہ کی نواسی حسنین کی بہن اور فاطمہ کی جائی ہونے کے بعد یہ افسوس خاص یہ ہے کہ امت نے ایسی شخصیات و ذوات و صفات کی قدر نہیں کی۔ اس خبر سے بات زیادہ اثر انگیز اور غمناک ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد مدینے سے امام کے ساتھ کربلا کا سفر، تکالیف، پریشانیاں، صعوبت، مشقت، اذیت، بے پردگی، اعزا کا ظلم، قید و بند کے حالات، تشنگی، بھائی کی پیاس کی یاد، عزیزوں کی قربانی، فیصلہ دعا کا اثر نہایت اختصار اور جامع انداز میں کیا ہے۔ اور یہ شعر میں جناب زینب کے اس کارنامے کا ذکر ہے جس کے ذریعہ ذکر واقعۂ کربلا باقی رہا۔ قید، بازار، شام، دربار، ان کے خطبے جن کے ذریعہ انھوں نے تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیا۔ درحقیقت یہ ہے کہ

نفیس نام ہے اسلام کو بچانے کا
نجات کو بچانے کا نام ہے زینب

نفیس کی اس رثائی نظم کے مطالعے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے یقیناً ایسی نظمیں اور مسدس کافی تعداد میں کہے ہوں گے، کیونکہ نظم کی پختگی روانی، فصاحت، سلاست و رتلاش مضامین سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ شاعر نے اور بھی بہت کچھ کہا ہوگا۔ لیکن یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ نفیس کی شاعری محمد و آل محمد اور رثائی ادب تک ہی محدود تھی۔

بہر حال اس خانوادے کے شعرا میں نفیس نے مقدار کے اعتبار سے چاہے کم کہا ہو لیکن ان کا کلام معیار پر پورا اترتا ہے۔ اور رثائی ادب کی خدمات میں ان کا بھی حصہ ہے۔

اس خاندان میں جس شاعر کا رثائی ادب سے سب سے زیادہ تعلق رہا ہے اور جس نے تمام عمر رثائی ادب کی خدمت انجام دی وہ ہیں نصیر کے دوسرے فرزند سید انیس حسن بلال۔ بلال کو مرثیہ و سلام سے خاص دلچسپی تھی جس کی ایک وجہ تو گھر کا ماحول۔ اور گھر کا ہی ماحول کیا وہ دور ہی تھا کہ پورے مرادآباد میں رثائی ادب اور مدح و منقبت کا ماحول تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ پورے سوا دو مہینے امروہہ میں مجالس عزا کا سلسلہ رہتا تھا جس کی وجہ سے مرثیہ و سلام کے چرچے رہتے تھے۔ ہر سال معصومین و بزرگان دین کی ولادت کے موقع پر نعتیہ اور منقبتی محفلیں ہوتی تھیں اس لیے شعرا خوب خوب طبع آزمائی کرتے تھے لیکن بلال کے ساتھ ایک وجہ اور بھی تھی وہ یہ کہ بلال چونکہ خوش لحن تھے اس لیے مجالس میں جن سے سوز خوانی و مرثیہ خوانی کرتے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ ان حالات اور سازگار ماحول میں بلال مرثیہ و سلام کیسے نہ کہتے۔

بلال کو ورثے میں ملی ہوئی شاعری پر ماحول نے اور نکھار پیدا کیا۔ انھوں نے گھر میں ہی پہلے دادا امیر اور پھر والد نصیر سے تعلیم حاصل کی۔ کتب تواریخ بلال کی ولادت کے سلسلے میں خاموش ہیں۔ پروفیسر مختار حسین نقوی مرحوم کے

بیان کے مطابق انیس حسن بلال کا انتقال 50 سال سے بھی کم عمر میں ہوا اور ان کی کل عمر تقریباً 48 سال ہوئی۔

دوسری جانب رئیس امروہوی لکھتے ہیں کہ "منجھلے تایا سید انیس حسن انیس مرحوم تھے ان کا انتقال 6 محرم الحرام 1342ھ بروز دوشنبہ امروہے میں ہوا" (معراج نفس رسالہ، صفحہ 7، مجاہد پاکستان)۔ ان دونوں باتوں کو یکجا کر کے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ انیس حسن بلال کا سال ولادت تقریباً 1294ھ ہوگا۔

انیس کا تخلص ان کے بھتیجے رئیس امروہوی نے انیس لکھا ہے۔ جب کہ ان کا کچھ کلام تو انیس تخلص سے ملتا ہے لیکن زیادہ تر کلام میں انھوں نے بلال تخلص استعمال کیا ہے اور یہی مشہور بھی ہوا۔ بلال کی کی مناسبت سے کی قافیے پر ان کے فرزند امیہ حیدر نے کمال تخلص اختیار کیا۔ شاعری کا آغاز بھی مرحوم نے ہی ہو گیا تھا لیکن صرف 48 سال کی عمر پانے کے سبب اپنی خدمات کا زیادہ موقع نہیں مل سکا اور جتنا کہ بھی ہوا وہ محفوظ نہ رہ سکا۔ کیونکہ بڑے فرزند سید رضا حیدر محکمہ پولیس میں ملازم تھے اس لیے امروہے سے باہر رہتے۔ چھوٹے فرزند کمال امروہوی بھی نوجوانی میں ہی لاہور پہنچ کر فلمی صنعت سے وابستہ ہو گئے تھے اور وہ بھی امروہے سے باہر رہے۔ غرض کہ زیادہ تر کلام محفوظ نہ رہ سکا۔

بلال بہت نیک، متقی، پابند صوم و صلوٰۃ اور پرہیزگار قسم کے انسان تھے۔ دنیا داری سے بے نیاز، مادیات کی خواہش سے دور تھے۔ حرص اور طمع ان کے قریب سے بھی نہیں گزرا تھا۔ توکل، ان کا ایمان اور قناعت ان کی عادت تھی۔ بہت مولائی قسم کے انسان تھے اور محبت محمد و آل محمد سے سرشار رہتے تھے۔

[illegible] ان کے [illegible] ہی اور اگر کی تو شاید دو چار ہی ہوں گی۔ بہت [illegible] محبت [illegible] رہا۔ بلال کے جو مراثی ضائع ہوئے

سے خاندانی بستے میں تھے یا دیگر مرثیہ خوانوں کے بستے میں بھی ان کی نقول تھیں ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔ یہ مراثی یقیناً غیر مطبوعہ ہیں۔ راقم نے یہ 1980ء سے بھی پہلے ہلال کے فرزند اکبر سید رضا حیدر مرحوم سے حاصل کیے تھے۔ مطلع ہیں۔

ع جس دم ا[illegible] نے بند 20

بقلم سید منور حسین تحریر 29 اکتوبر 1920ء

ع دیکھ کر چاند محرم کا نمایاں نینب بند 21

بقلم سید انیس حسن ہلال تحریر 22 ذی قعدہ 1330ھ

ع جب پیاس کی شدت ہوئی بے حد شہ دیں پر بند 43

بقلم سید انیس حسن ہلال تحریر 20 ذی الحجہ 1325ھ

ع جب سید مظلوم آئے رن میں بند 37

بقلم سید انیس حسن ہلال تاریخ تحریر نہیں۔

ہلال کا پہلا مرثیہ امام حسینؑ اور ان کے رفقا کی مدینہ سے شروع ہوتا ہے اس کے بعد امام اور ان کی بہن جناب زینب سے جو گفتگو ہوتی ہے وہ مکالمے نظم کیے ہیں۔ آخر میں امام کی شہادت کا بیان ہے۔ یہ مرثیہ راز شہر روح کی مجلس میں پڑھنے کے مقصد سے ہلال نے کہا ہوگا۔

امام حسینؑ جب میں شہادت کے لیے جانے کا ارادہ کرتے ہیں تو جناب زینب فرماتی ہیں کہ

بھیا خبر جو کوچ کی اپنے سناتے ہو
زینب کو اس سے کیوں نہ پہلے بتاتے ہو

امام حسینؑ جواب میں فرماتے ہیں کہ:

شبہ کہتے تھے کہ صبر کرو، صبر، اے بہن
ہوگا وہی جو چاہے گا معبود ذوالمنن

بھائی بہن کے درمیان کی یہ تمام گفتگو ہلالؔ نے بالکل فطری انداز میں نظم کی ہے۔

ہلالؔ کا دوسرا مرثیہ کسی استاد شاعر کے مطلع پر کہا گیا ہے جس کا اظہار انھوں نے خود آخر میں کر دیا ہے۔ جو ہے محرم دیکھنے کے موقع کا ہے۔ اس میں محرم کا چاند دیکھنے کے بعد جناب زینب اپنے بھائی اور دیگر عزیزوں کے لیے کیا کیا دعائیں کرتی ہیں اور اس وقت ان کے کیا جذبات ہیں۔ کیا احساسات ہیں اور کیا کیا سوچتی ہیں۔ ہلالؔ کی زبانی ملاحظہ ہو وہ کہتے ہیں کہ

میرے بھائی کو کبھی ہو نہ کوئی رنج و محن
بچے جیتے رہیں سرسبز رہے یہ گلشن
سب کے سب کنبے وہ اور چھلیں سوئے وطن
شاد و آباد ہمیشہ رہیں سلطان زمن
شور ہو خلق میں شبیرؑ کی یکتائی کا
نام قائم رہے دنیا میں مرے بھائی کا

یہ جذبات تو ایک بہن کے تھے اب دوسری جانب بھائی نے جب محرم کا چاند دیکھا تو پھر دعا کے یہ تیور کیا وہ بھی ملاحظہ ہو۔

[illegible] صرف تو یہ دعا کرتی تھی بنت حیدر
[illegible] صرف دیکھتے تھے چاند شہ جن و بشر
[illegible] رہتے تھے [illegible] یہ دعا رو کر
[illegible] تیری تباہات دوسری سے دور

مہہ زہراؑ کو نصیب ایسی سعادت ہووے
قتل شبیرؑ سے امت کی شفاعت ہووے

آگے بھی ہلالؔ نے اسی قسم کے دردناک مضامین اور اس قربانی کے امتحان میں کامیابی کی دعائیں امام کی زبانی کی ہیں۔ مثلاً:

صبر اور شکر کی یہ دولت نایاب ملے
بدلے پانی کے مجھے خنجر بے آب ملے

یا ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

صابر ایسا ہو، جو پیاسا ہو تو ایسا ہووے
ایسے نانا کا نواسہ ہو تو ایسا ہووے

ایک بیت اور ملاحظہ ہو:

دھیان بیٹے کا نہ بیٹی کا نہ ہمشیر کا ہو
ذکر تحلیل کا، تسبیح کا تکبیر کا ہو

چونکہ ہلالؔ نے یہ مرثیہ کسی استاد کے مطلع پر کہا تھا اس لیے مقطع میں اس بات کا اظہار اس طرح کیا ہے کہ:

سخن حق یہ اسی احقر ناشاد کا ہے
مرثیہ میرا ہے، مطلع کسی استاد کا ہے

ہلالؔ کا تیسرا مرثیہ جس کا مطلع ہے:

ع۔ جب پیاس کی شدت ہوئی بے حد شہ دیں پر

اس مرثیے میں امام حسینؑ کا وہ خطبہ نظم کیا گیا ہے۔ جو بروز عاشورہ فوج یزید کے سامنے امام عالی مقام نے دیا تھا جس میں شمر ظلم و ستم سے باز رہنے کہا تھا اور سمجھایا تھا اور یہ کوشش کی تھی کہ کسی طرح بھی جنگ ٹل جائے اور جنگ

نانے کے لیے مختلف تجاویز پیش کی تھیں۔ مثلاً

کیوں درپے آزار مرے ہوتے ہو یارو!
دنیا کے عوض دین کو کیوں کھوتے ہو یارو!
عالت پہ مری چھوڑ دو مجھ تشنہ دہن کو
گر رائے تمہاری ہو تو پھر جاؤں وطن کو

یہ مرثیہ 1325ھ کی تحریر ہے ممکن ہے اس سے بھی کئی سال قبل کہا ہو۔ یعنی سو سال سے بھی زیادہ قدیم ہے۔ اس وقت لفظ 'یارو' سے تخاطب کیا ہے جب کہ یہ لفظ خطاب مرثیہ نگاروں نے پچاس سال سے بھی زیادہ عرصے بعد اختیار کیا ہے کیونکہ ہلالؔ کے دور میں تخاطب کے لیے لوگو، مومنو، عزادارو، اہل عزا، تم زارو، رسولو، رو جیسے الفاظ استعمال ہوتے تھے۔ دراصل ہلالؔ کافی حد تک ایک نئے ذہن کے مالک تھے۔ ان کے اسلوب میں بھی نئے پن کا احساس ہوتا ہے۔ آگے چل کر امام حسینؑ فوج یزید سے حجت تمام کرتے ہیں اور میدان کربلا کی جانب واپس آجاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ:

یہ کہہ کے چلے جانب خیمہ شہِ والا
تلوار کی شدت سے کلیجہ تھا دہلا
[illegible] آپ کو ہے چند سنبھالا
[illegible]

پہنچی جو صدا بھائی کی گھبرائیں زینب
فوراً در خیمہ سے قرآں لائیں زینب

[illegible] یہ روایت ختم کی ہے کہ ایک مومنہ امام حسینؑ اور حضرت زینبؑ کی [illegible] کے لیے دعا کرتی ہے۔ امام ان کے لیے دعا کرتے ہیں اور پھر

جلد ۴ ۔۔۔ ۴۰ ۔۔۔ ۔ ۔

تھی درد کمر بھائی دلاور کے امر میں
اور ضعفِ بصر تھا علی اکبر کے الم میں

اس مرثیے میں بھی ببر نے ایک مومنہ کی روایت بیان کی ہے اور مکالمہ نگاری کا بھی اچھا نمونہ ہے ایک بیت ملاحظہ ہو۔ امام حسین فرماتے ہیں کہ

مرجاؤں تو آکر تن صد پاش پہ رونا
جی کھول کے پھر بھائی کی تم لاش پہ رونا

امام حسین کی میدان میں جانے کے لیے خیمے سے رخصت سے پہلے ہی مرثیہ ختم ہو جاتا ہے۔ ببر اس مقطع میں کہتے ہیں کہ

اب آگے ملال ان کی مصیبت نہ بیاں کر
شبیر کی ہمشیر سے رخصت نہ بیاں کر

دراصل ببر کے تمام مراثی سوز خوانی کے طور پر پڑھے جانے والے ہیں کیونکہ وہ خود سوز خواں تھے اس لیے مقطع بھی ہیں۔ سب سے طویل مرثیہ 43 بند کا ہے۔ لیکن ان مراثی سے ببر کی فکر و فن کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ واقعہ نگاری، جذبات نگاری، نفسیات نگاری، منظر نگاری اور مکالمہ نگاری میں وہ بہت کامیاب نظر آتے ہیں۔ ان کے مراثی میں زور ہے، روانی ہے، تاثیر ہے، الفاظ کی اچھی بندش اور سب سے اہم اور مرثیے کی جو بنیادی چیز ہے یعنی رثائیت، وہ بھی بھرپور ہے۔

جہاں تک ببر کی رزم نگاری کا سوال ہے تو وہ اس میدان میں بھی کامیاب نظر آتے ہیں۔ ان کے جو چند سلام راقم نے حاصل کر کے کا دعویٰ کیے جا رہے ہیں۔ لیکن ان کے مطالعہ سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ آج سے سو سال قبل جو ماحول تھا جو رنگ اور اسلوب تھا ہلال نے اسی کی نمائندگی کی ہے۔

[illegible] ببر کی عمر نے زیادہ وفا نہیں کی۔ اگر عمر لمبی پائی ہوتی اور سب کلام محفوظ

رہتا تو یقیناً وہ لحن سے پڑھے جانے والے یعنی سوز خوانی کے مراثی کے ذخیرے میں غیر معمولی اضافہ کرتے۔ ان کے مراثی کی یہ تاثیر کا ہی سبب ہے کہ آج بھی ان کے مراثی جگہ جگہ مجالس میں پڑھے جاتے ہیں۔

اس خانوادے میں اگر ایک طرف علمی شہرت کمال امروہی نے حاصل کی اور عوام و خواص میں مقبول ہوئے تو دوسری جانب تجربہ علمی میں سب سے بلند مقام علامہ شفیق حسن ایلیا نے حاصل کیا۔ ایلیا کا بہت اچھے الفاظ میں تمام مورخین نے ذکر کیا ہے اور ان کی علمی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ مثلاً ''مرثیہ نگاران اردو''، ''تذکرہ شعرائے امروہہ''، ''مرثیہ نگاران امروہہ'' ''شعرائے امروہہ''، ''تذکرۂ شعرائے امروہہ'' اور ''انجمن وظیفہ سادات و مومنین کا سلور جبلی نمبر'' وغیرہ۔

آپ کی ولادت 14 جولائی 1885ء کو امروہہ میں ہوئی۔ سید اعجاز حسین جارچوی سلور جبلی نمبر میں تحریر فرماتے ہیں کہ

''آپ حضرت مخدوم سید شرف الدین حسین شاہ ولایت امروہہ کے خلف اکبر سید علی صاحب قاضی القضاۃ امروہہ کی اولاد میں ہیں۔ سلطان محمد تغلق کے زمانہ حکومت میں اس خاندان کو بہت عروج حاصل ہوا اور اس خاندان کے افراد منصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔ آپ کو قدرت نے ذہن رسا اور طبع سلیم کی نعمت عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ سلسلہ تالیف و تصنیف موصوف عربی، فارسی، انگریزی اور سنسکرت وغیرہ زبانوں سے مدد لیتے ہیں۔ موصوف امور قومی اور مذہبی میں بھی بہت دلچسپی لیتے ہیں۔ چنانچہ 1324ھ میں انجمن امامیہ امروہہ میں قائم کی تھی جو عرصے تک قومی و مذہبی خدمات انجام دیتی رہی اور رجب 1354ھ میں آپ نے انجمن تنظیم المومنین قائم کی ہے جو مغربی طرز کی تعلیم نسواں کے بالکل خلاف ہے'' (صفحہ 132)۔

ایلیا قومی خدمات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ دیگر تنظیموں کے

حد وہ مشہور قومی و مذہبی انجمن ''تحفظ عزاداری'' کے پہلے ناظم بھی رہے۔

ایمیا کو شہرت تو ان کے تخلص ایمیا سے ملی، لیکن ابتدائی دور کی شاعری میں شفیق بھی استعمال کیا اور ان کے پسر جون ایلیا کے بیان کے مطابق انھوں نے اپنے بے حد قریبی دوست مثل حقیقی بھائی سید اختر حسین (راقم کے نانا) کے نام کو بھی بطور تخلص یعنی اختر استعمال کیا۔ اس طرح ایمیا کے کلام میں ایمیا کے علاوہ شفیق اور اختر تخلص کا بھی استعمال ملتا ہے۔

ایمیا نے عربی و فارسی کی تعلیم اپنے دادا سید میر حسن ایمیا اور والد سید نصیر حسن نصیر سے حاصل کی۔ اس کے علاوہ شہر کے مشہور عالم مولوی ابو الحسن سیتم سے بھی درس حاصل کیا اور شاعری میں بھی ان سے ہی تلمذ حاصل تھا۔

ایمیا کے بارے میں ان کے بڑے فرزند رئیس امروہوی لکھتے ہیں کہ ''وہ ایک رقیق القلب، نرم خو، دردمند اور شریف النفس انسان تھے۔ ان کی پوری زندگی حصول علم اور طلب عرفان کی راہ میں مسلسل مجاہدے کی حیثیت رکھتی تھی۔ صبح سے شام تک پڑھنے کے علاوہ کوئی کام نہ تھا۔ اماں مرحومہ کو یہ طرز زندگی پسند نہ تھی اور اسی لیے وہ کبھی کبھی ان سے الجھ جاتی تھیں۔ اماں کی خواہش تھی کہ وہ حصول معاش میں غرق ہو جائیں اور قلم و کاغذ کو طاق میں رکھ دیں۔ کیونکہ شاعر یا مصنف بن کر کوئی شخص آسودہ حال زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اماں اپنے بیٹے اور اپنی اولاد کے لیے خوش حال اور آرام دہ زندگی کی طلب گار تھیں۔ ابا مرحوم ان کی ضرورتوں کو سمجھتے ضرور تھے اور حتی الامکان ان کاموں کے لیے کوشش بھی کرتے لیکن یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنی علمی مصروفیات ترک کر کے پورا وقت طلب معاش میں لگا دیں۔ مرحوم کے مزاج میں استغنا اور قناعت بدرجہ کمال تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ لوگ ان سے کم طلب کریں اور دنیا کو ان کی طلب سے کہیں زیادہ عطا کریں۔ ادب، شعر، تاریخ، ہیئت، الٰہیات، مذہب اور

روحانیت ان کے پسندیدہ موضوع تھے۔ ان کی سیرت کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ شہرت سے قطعی بے نیاز تھے۔ جیسے دوسروں کے لیے نہیں صرف اپنے لیے لکھتے ہوں۔ اگرچہ انھیں تمام اصناف سخن پر مکمل عبور حاصل تھا۔ لیکن انھوں نے مشاعروں میں شریک ہونے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ البتہ مذہبی محفلوں اور مجلسوں میں وہ شرکت کرتے اور اپنی نعت و منقبت کا کلام سناتے۔ ہماری سب سے بڑی محرومی یہ ہے کہ ان کے کلام کا بیشتر حصہ ضائع ہو گیا۔

(معراج نفس رسولؐ، صفحہ 3-4)

رئیس امروہوی کی اس تحریر سے ایمیا کی پوری شخصیت، مزاج، عادات و خصوصیات اور علم دوستی سامنے آجاتی ہے۔ جہاں تک وفات کا تعلق ہے تو ایمیا کے فرزند جوان ایمیا اپنی یادداشت میں تحریر کرتے ہیں کہ:

آخر کار ہوا آج سر انجام سخن
جس نے لکھی تھیں یہ سطریں وہ قلم ٹوٹ گیا

ایمیا کی ڈائری پر جوان ایمیا نے یہ شعر تحریر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمیا کا یہ قلم ٹوٹ رہا تھا تین جملے، اور تینوں قلم بے حد مضبوط، روشن، معنی خیز اور فکر انگیز ہیں۔ یہ علم و ادب سے پناہ مانگتے ہیں۔ یعنی رئیس امروہوی، محمد تقی اور جوان ایمیا۔

جوان ایمیا لکھتے ہیں کہ شعر کے بعد لکھتے ہیں کہ 8 جنوری 1956ء وقت شب بارہ بجے ایمیا مقدر کا شعر استاد شعرا سید شفیق حسن نے انتقال فرمایا۔ ایمیا کے پوتے سید محمد عباس شاعر و ادیب تو نہیں تھے لیکن چچا کی تربیت نے انھوں نے علم و ادب کی خوب خدمت کی۔ انھوں نے ایک سو ایک شاعروں کی شاعری کا جائزہ لیا۔ سید محمد عباس نے ایمیا کے غزل، قصیدہ، منقبت، نعت، سلام، نوحہ، قطعہ، رباعی اور مرثیہ کے صنف سخن میں طبع

آزمائی کی ہے اور آپ کا مطالعہ بے حد عمیق تھا۔ آپ کی تصانیف میں معراج نفس رسول (شعری مجموعہ) حقیقت الحق، صدق، اصل اصول، آثار شہید، تصدیق المعراج، رئیس المومنین، عام برزخ، تحقیق الساعۃ، صاحب زمان اور شہید راز راقم الحروف کی بھی نظر سے گذری ہیں۔ امروہہ کی زبان کے سلسلے میں ایلیا کا ایک قطعہ بہت مشہور ہے۔

ہے للہ شان امروہہ زہے طرز بیان امروہہ
دلی لکھنؤ کا ہے وسط معتدل ہے زبان امروہہ

آپ کے تقریباً بارہ قصائد بھی راقم کی نظر سے گذرے ہیں جو سب مصلحین کی مدح میں ہیں۔ اس کے علاوہ مجموعہ میں بھی 62 قطعات شامل ہیں۔ ان کا موضوع بھی مذہب ہے۔ ان کے علاوہ 5 قطعات راقم نے تلاش کیے ہیں۔ جہاں تک مرثیہ کا تعلق ہے آپ کا ایک مرثیہ مجموعہ مرثیہ پاکستان میں ڈاکٹر حسن صاحب مرحوم کے پاس کتاب مذہب کے پاس ہے۔ یہ بات ڈاکٹر جلال نقوی نے مرثیہ تنقید کے مقدمے میں تحریر کی ہے۔ شعر مندرجہ ذیل ہے۔

ان کی تقدیر خوش قسمت خوش قبالی

نعتیہ کلام میں قطعات مدحت کے علاوہ ایک طویل نعتیہ مسدس 156 بند پر مشتمل ہے جو مجموعہ ہے اور جس میں معراج کی تمنیات بیان کی ہیں۔ مسدس کا آغاز ملاحظہ ہو کہ

[illegible] شان ہے معراج مصطفیٰ
قدرت کا [illegible] ہے معراج مصطفیٰ
[illegible] ہے شان ہے معراج مصطفیٰ
[illegible] ہے یہ [illegible] ہے معراج مصطفیٰ

درسِ عمل عروجِ رسولِ خدا کا ہے
انساں کے واسطے یہ سبق ارتقا کا ہے

حضرت علیؑ کی مدح میں بھی ایک بند ملاحظہ ہو۔

اللہ رے قدر و منزلت شانِ مرتضیٰؑ
رتبہ نبیؐ کے فیض سے کیا کیا عطا ہوا
معراج شب وہاں تو یہاں دن میں ارتقا
ان کو براق ان کے لیے دوشِ مصطفیٰؐ

وہ نورِ حق رسولؐ زمین و زمن ہوئے
یہ شانِ کردگار ہوئے بت شکن ہوئے

آگے چل کر حضرت محمد مصطفیٰؐ کا حضرت علیؑ سے تعلق اور دونوں کی ایک دوسرے سے قربت مختلف تشبیہات کے سہارے بیان کی ہے۔ کہتے ہیں کہ

ہیں مصطفیٰؐ جو پھول تو اس کی مہک علیؑ
وہ درِ شاہوارِ ہدایت، جھلک علیؑ
حضرت ہیں آفتابِ نبوت، چمک علیؑ
یہ حسن، حسنِ شاہدِ قدرت نمک علیؑ

احمدؐ ہیں باکمال تو حیدرؑ کمال ہیں
وہ رخ ہیں اور یہ خالِ رخِ بے مثال ہیں

کوثر ملا نبیؐ کو تو حیدرؑ کو سلسبیل
حمدِ علیؑ سے، یہ ہوئے ہم سے جلیل
شاہد ہیں نبیؐ کے علیؑ، ان کے جبرئیل
محبوبِ رب جو وہ ہوں تو حق ہیں تو یہ دلیل

ہے علمِ غیب احمد مرسلؐ کے سہم میں
یہ وارث رسولؐ خدا علم و فہم میں

جہاں تک ایّامِ عزا کی سلام نگاری کا سوال ہے تو ایسے سلام کافی تعداد میں کہے ہیں جو ان کے خاندانی نسبت کے علاوہ حکیم سید حسن رضا مرحوم کی اہلیہ محترمہ کلثوم فاطمہ مرحومہ کے نسبت میں بھی نظر سے گزرے ہیں چونکہ وہ مرحومہ بھی سوز خوانی کرتی تھیں اور چند سلام حکیم میر محمد عرف اچھو کے نسبت سے بھی ملے ہیں۔ چند سلاموں کے اشعار ملاحظہ ہو

سلامی وہ شانِ نبیؐ و علیؑ ہے
جو نور مہ و مہر سے منجلی ہے
یہ ارشاد احمدؐ برائے علیؑ ہے
میں مولا ہوں جس کا یہ اس کا ولی ہے
[illegible]
[illegible]
[illegible]
بہن شام کو قید ہو کر چلی ہے
تھا رات کو جس کی ماں کا جنازہ
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

شب ہجرت کوئی رونے میں ہے اور کوئی سونے میں
رفاقت اور وفا کا امتحاں یہ بھی ہے اور وہ بھی
کجا یعقوب کی زاری، کجا سجاد کا ماتم
نتیجہ کس کا حسرت ہے فغاں یہ بھی ہے اور وہ بھی
ہے استاد زمانہ خاندان، میر اور مرزا کا
شفیق اپنے تئے اہل زباں یہ بھی ہے اور وہ بھی

راقم کو بھی علامہ شفیق حسن ایلیا کو اپنی کمسنی میں حسینیہ دربار شاہ ولایت میں سننے کا موقع ملا ہے۔ وہ سرتاپا تقدس نظر آتے تھے۔

نصیر کے چوتھے اور سب سے چھوٹے فرزند سید وحید حسن وحید ہوئے جو گدا بھی تخلص کرتے تھے۔ گھر کے ماحول اور بزرگوں سے مذہبی میں دوڑنے والے خون نے انھیں شاعر بنا دیا تھا۔ جوانی میں غزل بھی کہی لیکن اس پر زیادہ زور نہیں دیا۔ البتہ رثائی ادب سے زیادہ دلچسپی رہی۔ مردانی مجلس میں پڑھنے کے لیے عام مجلسوں اور خواتین کی مجلس میں پڑھنے کے لیے خاص طور سے نوحے کہے جو کافی مقبول بھی ہوئے۔

وحید قومی اور اصلاحی کاموں میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔ مشہد کے تمام معاملات کو بہتر اور خوشگوار بنانے کے لیے اور آپسی بھائی چارہ اور یگانگت قائم رکھنے کے لیے ایک انجمن "تنظیم محلہ دربار شاہ ولایت" مرتب قائم ہوئی تھی جس کی روداد بھی شائع ہوئی تھی۔ اس کے صفحہ 2 کے مطابق وحید صدر تھے سید محمد مجتبیٰ میر محلہ اور سید اکبر حسین نائب میر محلہ تھے۔ یہ جلسہ 2 اکتوبر 1937ء حسینیہ دربار شاہ ولایت میں ہوا تھا۔

وحید کے نوحہ اس دور میں شائع ہونے والی بیاضوں میں راقم کی نظر سے گذرے ہیں۔ صرف ایک نوحے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

دل تھامے ہوئے دیتی تھی بانو یہ دہائی
کس چاند سے سینے پہ سناں دل نے کھائی
عباس کے مرنے سے کمر ٹوٹ چکی تھی
پھر نعش جواں دل کی کس طرح اٹھائی
زینب کے یہ نالے تھے وحید جگر افگار
جنگل میں لٹی فاطمہ زہرا کی کمائی

[illegible] رثائی ادب میں [illegible] کے چاروں بیٹوں کا حصہ رہا ہے۔ [illegible] اور [illegible] مراثی [illegible] ہے۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک بار چاروں بھائیوں نے مل کر ایک مرثیہ [illegible] اور [illegible] میں [illegible] کا [illegible] کیا۔ شفیق [illegible] نے [illegible] اور [illegible] نے وحید اور [illegible] نے شفیق۔ [illegible] چاروں [illegible] وجود [illegible] بنایا اور اسے بطور [illegible] استعمال [illegible] مرثیہ خوانی [illegible] راقم کی نظر سے گزرا تھا لیکن [illegible] حاصل نہیں کی۔

[illegible] شفیق حسن [illegible] کے فرزند اکبر رئیس مرادآبادی ہوئے۔ آپ کی ولادت کا ذکر [illegible] اس طرح کرتے ہیں کہ "2 شعبان 1322ھ مطابق 12 ستمبر 1914ء سید محمد مہدی کی ولادت ہوئی" (رئیس مرادآبادی)

ابتدائی تعلیم [illegible] اور [illegible] حاصل کی اس کے بعد دارالعلوم سید المدارس میں [illegible] فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ [illegible] کے روزنامچے کے مطابق 21 نومبر 1921ء [illegible] مکتب (بسم اللہ خوانی) ہوئی اور 30 جون 1934ء کو شادی ہوئی۔

رئیس کی ولادت کے وقت خاندان شاعروں سے بھرا ہوا تھا [illegible] رئیس، [illegible] اور [illegible] وحید [illegible] ماحول میں تربیت حاصل کی [illegible] میں علم [illegible] علم [illegible] اور شعر و ادب کے [illegible] سرشار اور [illegible] جذب ہوتے ہوں گے۔ [illegible] کے [illegible] شعر [illegible] کرتے تھے اور [illegible] ان کے [illegible]

مکتب کے فارسی کے معلم سید [illegible] حسن عرفانی تھے۔ اس لیے آپ نے
صبا عرفانی لکھنا شروع کیا۔ لیکن جب یہ بات والد [illegible]
نے منع کیا اور رئیس تخلص تجویز کیا۔

رئیس کا تعلق جس خانوادے سے [illegible]
خانوادے کی علمی و ادبی خدمات پر تحقیقی کام [illegible]
اور اس دور پر بڑے بڑے سند یافتہ [illegible]
کے قیام کے دوران ہی رئیس کے [illegible] ایک [illegible]
مراد آباد کی ادارت کے ذریعے آپ نے [illegible]
حیثیت سے شہرت حاصل کر لی تھی [illegible]
سال مدیر اعلیٰ رہے۔ اسی دور میں انھوں نے [illegible]
[illegible] 1947 [illegible]
پچپن [illegible] 50 [illegible]
[illegible]
[illegible]
قطعات [illegible]
حقیقتاً وہ شہنشاہ قطعات ہیں۔

رئیس نے 1947 [illegible]
[illegible]
[illegible]
سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

"رئیس 1947 [illegible]

پاکستان کے بلند پایہ شعراء میں درجہ امتیاز رکھتے ہیں۔ موجودہ عہد کے پرگو شاعر ہیں۔ انھیں ہر اصناف شاعری پر قدرت حاصل ہے (اردو مرثیہ پاکستان میں، صفحہ 394)۔

رئیس کو واقعی ہر صنف سخن پر قدرت حاصل تھی لیکن قطعہ اور غزل سے ان کا خاص لگاؤ تھا۔ ان کے قطعات 4 جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں اور غزلوں اور نظموں کے بھی 4 مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں۔

رئیس کی شاعری پر نیاز فتحپوری تحریر فرماتے ہیں کہ

"رئیس کی شاعری کی بابت یہ کہہ کر خاموش ہو جانا کہ وہ عمومیت و سطحیت سے بلند ہے بڑی پست بات ہے ان کے یہاں تو بات چلتی ہی فراز سے ہے اور ختم ہوتی ہے مدرج ہوئے تعین پر۔ جسے تصوف کی زبان میں 'اول ما آخر انتہی' کہتے ہیں۔ یوں تو شاعری نام ہے حسن خیال، حسن فکر و تصور اور حسن شعور و ادراک کا، لیکن اگر ذریعہ ابلاغ و اظہار حسین نہ ہو تو محض فکر و تصور بیکار ہے۔ رئیس کی شاعری میں یہ دونوں باتیں برابر توازن کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔ وہ یقین جتنا اچھا سوچتے ہیں اتنا ہی اچھا سے اچھا نباہنا بھی رکھتے ہیں۔" (ماہنامہ نگار کراچی پاکستان)

رئیس نے صرف ایک شعر پر ایک موقع پر جوش ملیح آبادی اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں کہ

"اگر یہ تمام کلام لے کر رئیس اپنا یہ شعر مجھے دے دیں تو میں اپنے کوتاہ دامن زمانے میں" (روزنامہ جنگ کراچی 21 اپریل 1964ء)

شاید اسے عشق بھی نہ سمجھے
[illegible]

رئیس نے قطعات کے علاوہ شاعر امروہوی کی قطعہ گوئی کو بھی جلا دی نہ صرف

بہت سراہا ہے بلکہ اس کا لوہا مانا ہے اور انھوں نے کم از کم 18 ہزار قطعات کہے ہیں۔

غزل، نظم اور قطعات کے علاوہ آپ نے نعت، منقبت، رباعی اور قصیدہ بھی کہا ہے اور رثائی ادب میں نہ صرف سلام اور نوحے بلکہ مراثی بھی کہے ہیں جن میں سے ایک بڑا حصہ شائع بھی ہو چکا ہے اور جن کے مطالعے سے احساس ہوتا ہے کہ انھوں نے تاریخ اسلام، قرآن، احادیث اور تفسیر کا بھی مطالعہ کیا تھا۔

رئیس کی غزلوں کے مجموعے 'الف'، 'پس غبار'، 'ملبوس بہار'، نظموں کا مجموعہ 'حکایت' نے منقبتی اور رثائی شاعری میں 'انا من حسینؑ' اور حسینؑ اور حسینیت، قطعات کے 4 مجموعے طنزیہ و مزاحیہ خاکے 'اچھے مرزا'، نفسیات پر 'نفسیت و بعد النفسیات'، 3 جلدیں 'عجائب نفس'، 2 جلدیں 'لے سانس بھی آہستہ'، 2 جلدیں 'مظاہر نفس'، 2 جلدیں 'جنسیات'، 4 جلدیں 'توجیہات'، 2 جلدیں 'مراقبہ'، 2 جلدیں 'حاضرات'، 'جنات، عالم روح'، 'المیہ مشرقی پاکستان' اور کلیات رئیس امروہوی منظر عام پر آ چکی ہیں۔

رئیس کے 2 مراثی ان کے مجموعے 'انا من حسینؑ' میں شامل ہیں۔ پہلا مرثیہ کتابی شکل میں الگ بھی شائع ہوا ہے۔

ع۔ یہ جہاں کتنا پر اسرار جہاں ہے یارب۔ بند 48

ع۔ سجدہ گاہ دردمندان جہاں ہے کربلا۔ بند 48

رئیس چونکہ یک فلسفیانہ مزاج کے بھی مالک تھے اس لیے ان کی دیگر شاعری کی طرح مرثیہ بھی فلسفہ حیات و کائنات کی جھلک لیے ہوئے ہے۔ وہ قدیم و جدید دونوں فلسفوں سے آگاہ ہیں۔ وہ آرائش صحیفہ حیات کے قائل ہیں۔ اور اس پر عمل کرنے کے لیے سیرت امام کا سہارا لیتے ہیں۔ جب وہ کربلا کی جانب نظر اٹھاتے ہیں تو دیکھتے کیا فرماتے ہیں کہ

قبلۂ اربابِ تسلیم و رضا ہے کربلا
کعبۂ لبیک گویانِ وفا ہے کربلا
آزمائش گاہ مردانِ خدا ہے کربلا
شوقِ بے پروا سنبھل یہ کربلا ہے کربلا

جذبۂ آشفتہ سر نے خود سنوارا ہے اسے
عشق نے اپنا لہو دے کر نکھارا ہے اسے

اس کربلا کو عظمت و وقار عطا کرنے والے، تخلیق و تعمیر کرنے والے اور سجانے و سنوارنے والے کے لیے رئیس فرماتے ہیں کہ:

انقلابِ فکر کا جو رہنما تھا وہ حسینؑ
جو شعور افروز تسلیم و رضا تھا وہ حسینؑ
جو حدودِ ابتلا سے ماورا تھا وہ حسینؑ
جو خود اپنی ذات میں اک کربلا تھا وہ حسینؑ

دل کے ہر گوشے میں شمعِ آرزو جلتی رہی
ذہن میں جس کے ہمیشہ کربلا پلتی رہی

اب یہاں رئیس نے جو ذہن میں کربلا پلنا بتایا ہے یہ بے حد معنی خیز ہے۔ تاریخی [illegible] پورا معنی لیے ہوئے ہے یہ بہت بلیغ مصرع ہے۔

کربلا انسانی حوصلت کا نام ہے، کربلا تحریک کا نام ہے، کربلا تہذیب کا نام ہے، کربلا تعمیر کا نام ہے اور کربلا ہی نوعِ انسان کی ترقی کا نام ہے، کربلا زوال سے بچنے کا نام ہے، کربلا تخریب سے رد کا نام ہے اور کربلا تحفظِ انسانیت کا نام ہے۔ اس لیے کربلا محدود نہیں بلکہ محدود ہے۔ کربلا علاقائی نہیں آفاقی ہے اور کربلا کسی کی [illegible] نہیں بلکہ آدمی کی جاگیر ہے۔ کربلا ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہے۔

ہر انقلاب اس کا دست نگر ہے اور ہر ضرورت پر وہ سامنے آجاتی ہے۔ انسان اور انسانیت کو بچاتی ہے۔ رئیس اپنے مرثیے میں کہتے ہیں کہ:

بھر گیا جب بھی سر باطل میں سودائے فساد
ہو گیا جب بھی شقاوت پر کمربستہ عناد
جب بھی کودا جنگ میں کوئی یزید بدنہاد
جب بھی بھر ظلم کی تہمت سے کوئی ابن زیاد

ظلمت تاریخ میں تنہا سفر کرتی رہی
کربلا ہر معرکے میں رفع شر کرتی رہی

کربلا کہاں کہاں کام آئی ایک دوسرے مرثیے میں وہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

جب بھی دنیا میں ہوئی عہد ستم کی تجدید
حق کی تردید کے درپے ہوئے باطل کے مرید
جب بھی شداد زمانہ کے ہوئے ظلم شدید
جب بھی نازل ہوا امت پہ مزید ایک یزید

جب بھی انسان نے صداقت کا علم لہرایا
بڑھ کے تاریخ نے یہ پرچم غم لہرایا

رئیس نے مرثیے کے پیکر میں فلسفہ حیات و کائنات کو موضوع بنایا ہے اور فلسفہ حیات میں وہ بنیادی چیز غم کو تسلیم کرتے ہیں۔ غم حیات انسانی میں سنوار تقاضا کو تیز گامی عطا کرتا ہے۔ حوصلہ دیتا ہے اور عزم کو جواں رکھتا ہے وہ مانتے ہیں کہ دل کی جلا غم سے ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

ے خوش دل کہ ازل سے ہو جراحت خوردہ
جوشش اشک سے اک قریہ دریا بردہ

اے خوشا دل کہ مسرت سے رہے آزردہ
دل افسردہ عجب شے ہے دل افسردہ

کیا کہیں دل کو جو انعام ملا ہے غم سے
دل سے انساں کی جو دل کی جو ہے غم سے

غم کائنات میں ایک غم زندہ جاوید بھی ہے۔ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ۔

غم بھی دنیا میں بہت سے، غم جاناں، غم جاں
کوئی غم دیں کے لیے کوئی برائے دوراں
فکر کے روپ بہت، فکر چنیں فکر چناں
درد کے رنگ کئی، درد بشر درد جہاں
درد دل ایک ہی ہے، درد جگر ایک ہی ہے
غم ہزاروں، غم جاوید مگر ایک ہی ہے

غم سے کتنے ہی مثالاً اثر اندوز ہوں ہم
کو ہو جاتا ہے پتھر دل میں ہر اک نقش امر
غم دوراں کی قسم فطرت انساں کی قسم
غم جاوید ہے اک زندہ جاوید کا غم

غم ہے جاوید اسی سے یہ قسم کہتے ہیں
ہائے غم اس کا جسے کشتہ غم کہتے ہیں

[illegible] نے غم کا مفہوم بدل [illegible] راستے جو ہدایت وافادیت اور عظمت عطا کی ہے وہ بھی رئیس اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

غم [illegible] صورت [illegible] جس نے
[illegible] آنکھوں کی بصیرت جس نے

ڈھال دی درد کے قالب میں مسرت جس نے
عظمت غم کو عطا کی ابدیت جس نے

دل مردہ کو دیا عزم بہر حور تڑپ
روح انساں کو سکھایا کہ تڑپ اور تڑپ

غم شبیرؑ نے ہر عہد کو بخشا وہ شعور
جس کے آگے کبھی چلتا نہیں باطل کا غرور
چشم بینا سے نہیں ہے یہ حقیقت مستور
خود ہے تاریخ کو اس غم کی اشاعت منظور

جب بھی رنگ ستم و جور نکھر جاتا ہے
ایسے عالم میں یہ غم اور نکھر جاتا ہے

کربلا نے نسل انسانی کو تہذیب، اخلاق، تمدن، شرافت، عزت، حمیت، شجاعت، عشق و وفا، عزم، حوصلہ، جرأت، ہمت اور شہادت کے کیا کیا درس دیے۔ رئیس کہتے ہیں کہ:

ہم کو اصغر نے بتایا کہ شہادت کیا ہے
ہم کو اکبر نے سکھایا کہ حمیت کیا ہے
ہم نے قاسم سے لیا درس کہ غیرت کیا ہے
ہم نے عباس سے سیکھا کہ شجاعت کیا ہے

جتنے رستے ہیں اسی منزل مقصد سے ملے
عزم کے درس ہمیں خون و محمد سے ملے

رئیس نے واقعہ کربلا ایک فلسفی کی نظر سے دیکھا ہے ایک شاعر کے قلم سے بیان کیا ہے۔
رئیس نے سدم بھی کافی ہے، صرف ایک سدم کے دو شعر ملاحظہ ہوں

نازاں ہیں رنگ و بو پہ بہت نو دمیدہ پھول
ہے قلب داغ داغ دریدہ چیدہ چیدہ پھول
خود چن لیے مشیت پروردگار نے
اے کربلا کی خاک ترے برگزیدہ پھول

رئیس امروہوی کی وفات 22 ستمبر 1988ء کو ایک سانحہ قتل کی وجہ سے ہوئی۔ بقول جون ایلیا بھائی کا قاتل مرد شناس تھا اس نے دماغ پر گولی ماری اور بھائی تھے ہی یا دماغ ہی دماغ تھے۔

رئیس کے ورثا میں 4 بیٹیاں ہیں۔ پسر کوئی نہیں۔ ایک داماد سید اصغر پاکستان کے مشہور صحافی ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

رئیس حسن ہیں کے اس خاندان کی پیدائش کی تاریخ لکھنے والے قلم پر جنوری 1917ء ہے۔ دراصل آفتاب کی کیرنوں کی طرح کے بعد کی زمین کے لئے میں یہاں آتا ہے جب کوئی بے حد عظیم شخصیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے نام کے ان کی شخصیت پر اثرات کی اگر سب سے اہم مثال ہے تو رئیس کے والد کا جب نے حذف کیا ہوا ہے پیغمبر میں کامل و مکمل شخصیت کی امروہی کی تھی۔

رئیس کی آنکھوں میں چمکتی ہوئی ذہانت جھانکتی تھی۔ چہرے پر تبسم و فراست کی بہت نمایاں تھی۔ قلب میں علم و فن کا شوق پوشیدہ اور ایک خاص لگن تھی۔ گفتگو میں [illegible] کی شکل صورت سے تعزیں چھلکتا تھا۔ چہرہ ہوتے خوب رو [illegible] تھے۔ تاہم خوبصورت فنکار کے اندر بھی [illegible] میں قدم [illegible] کے بعد تیزی سے [illegible] آنے لگی تھیں۔ ان کا [illegible] بلندیوں [illegible] تھے [illegible] میں شامل تھا [illegible] میں [illegible] تہذیب کا [illegible]

کارواں رواں تمدن سے آراستہ تھی۔ دل کی دھڑکنیں شعروں میں ڈھلتی تھیں۔ غرض کہ وہ ہر لحاظ سے اعتبار سے پورے حلقے میں نمایاں تھے۔

وقت گزرتا رہا۔ آگے بڑھتا رہا۔ اسی جوانی سے گزرتے گئے اور یہ نوجوان وقت سے بھی زیادہ تیزی سے آگے بڑھتا رہا۔ حلقہ ادب میں نوجوان شاعر مرہوی، خادم حسین خادم، حکیم محمد حامد، صدیق حسین فاضل، مولانا محمد عبادت حکیم، حیات امروہوی، تاباں نقوی اور مصور حسین نجم وغیرہ تھے۔ ان سب کے اس نوجوان نے مرہبہ کی فضاؤں کو شعر و ادب کا زینہ بنا دیا تھا۔ ایک عجیب ماحول تھا۔ محفلوں میں شعر، گھروں میں شعر، فضاؤں میں شعر، خیالوں میں شعر، ہر شعر ہی شعر۔

مرہبہ سے ضروری تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس زمانے کے رائج الوقت اردو فارسی میٹرک اور ایف اے کے امتحانات لاہور جا کر دیئے اور کامیابی حاصل کی اور 1934ء میں لاہور کے ہی اورینٹل کالج سے ایم اے کی سند حاصل کی یعنی Master of Oriental Languages اور اب وہ قلم جو شاعری کی راہوں سے گزر رہا تھا صحافت کے میدان تک پہنچا اور قومی، ملی، سیاسی یا سماجی صحافت سے تعلق رکھنے والی صحافت میں شہرت حاصل کی۔ جو مزاج کے مطابق بھی تھی اور ماہنامہ ساقی دہلی کی ادارت سنبھالی۔ لیکن یہ سلسلہ دیر تک نہ رہا۔ پھر بھی انہوں نے اپنے اس پہلے کی قدم سے تاریخ قدیمی کا خبر کر دیا تھا۔ ہوتے قیام کے دوران ماہنامہ ساقی سے مدیر ہوئے یہ بھی ان کی دلی رہا تھا۔ اس طرح ساقی اور ان دونوں سے آپ کی صلاحیتیں سامنے آئیں۔ قلم، قلم، نثر دونوں میں لکھتا رہا اور ان کی شہرت کے پرندے پھیلتے گئے۔

جہاں تک مولانا مرہوی کے شاعری کا تعلق ہے وہ 1934ء سے بھی پہلے شعر کہنے لگ گئے تھے۔ اور مرہبہ سے ان کی شہرت حیات امروہوی نے

نومبر 1933ء میں ماہنامہ 'حیات' کا اجراء کیا تھا جس میں ان کی نظم 'تحصیل معرفت' عنوان سے صفحہ 43 پر شائع ہوئی۔ 'حیات' میں اس وقت ان کا نام سید امیر حیدر کمال دیا تھا۔ کمال مرو ہوی کی اس نظم کو ڈاکٹر امام مرتضیٰ نقوی نے اپنے مضمون ''امروہہ کی صحافت کا ایک یادگار رسالہ 'حیات' مجموعہ ماہنامہ 'رابطہ' دہلی میں غزل مسلسل مانا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ چھ غزلیں ہیں۔ لیکن ان کو نظموں کا عنوان دیا گیا ہے۔ حکیم نقوی کی 'معارف' کمال امروہوی کی غزل مسلسل 'تحصیل معرفت' اس دور کے ستارہ منتظر امروہوی کی 'حقائق' تاباں نقوی کی نظم 'مقدس وقت' نظم کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔''

(رابطہ جنوری 2000ء، صفحہ 7)

بعد میں کمال مرو ہوی نے شاعری کے ساتھ ہی نثر نگاری کی راہوں پر بھی اپنے قلم دوڑا دیا تھا اور ان کا یہ قلم دونوں میدانوں میں اپنی جولانی دکھانے لگا تھا۔ مرو ہوی کے 'حیات' میں غزلیں اور نظمیں شائع ہوئیں تو 'ایمان' امروہہ میں مذہبی مضامین نے جگہ پائی۔ لیکن بدلتے وقت کے تاریخی دبستان خانے کا یہ قلم کمال امروہوی کی نظموں کے درمیان رہا۔ جب امروہہ سے مورخ تاجدار امروہوی بمبئی پہنچ کر نہ جانے کتنے قلم ان کے سامنے زندہ ہوئے۔ ہندوستان کے مختلف ادبی رسائل میں ان کی نگارشات نمایاں مقام حاصل کرنے لگیں ان کی ایک غزل جو ان کے فرزند تاجدار امروہوی سے حاصل ہوئی ہے اس کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

سازِ دل نغمہ جاں روح فزا ہے کیا ہے؟
نازِ ہے ناز شوق ہے کہ سبب ہے کیا ہے؟
یہاں کی آب و ہوا کی ہے ترقی قربت سے
تو مرے کہہ دیا ہے حسن ہے کیا ہے؟

تیری آنکھوں میں کئی رنگ جھلکتے دیکھے
سادگی ہے، کہ تجنب ہے، حیا ہے، کیا ہے؟
نام ہونٹوں پہ ترا آئے تو تسکین ملے
راحت جاں ہے، دلاسہ ہے، دعا ہے، کیا ہے؟

ان اشعار کی رنگینی ان کے مزاج کی رنگینی کا پتہ دیتی ہے۔ وہ نمایاں اوصاف کے پارکھ بھی تھے اور ان کے قدردان بھی۔ کائنات کی ہر شے میں نمایاں کی تلاش ان کی عمیق نظری کا ثبوت ہے۔ کائنات کے ہر فطری حسن سے وہ متاثر ہوتے تھے۔ کمال امروہی کی ایک اور نظم بھی تاجدار امروہی نے راقم کو دی ہے۔ اس کے صرف دو بند ملاحظہ ہوں۔

جانے تم کون ہو ، کون ہو جانے تم
کون اترا ہے زمیں پر چاند سے
سارا عالم خوبصورت ہوگیا
زندگی ، تھی جستجو جس خواب کی
تم کو دیکھا تو حقیقت ہوگیا
جانے تم کون ہو، کون ہو جانے تم

گھیرتے ہیں مجھ کو ان دیکھے خیال
چھیڑتی ہیں اجنبی پرچھائیاں
راز [illegible] سے [illegible]
گفتگو کرنے لگی تنہائیاں
جانے تم کون ہو، کون ہو جانے تم

[illegible] دونوں ایک ساتھ ہی افق ادب پر ستارہ بن کر سامنے آئے تھے۔ [illegible] میں ملا شاعر اور رئیس نثر نگار تھے۔ لیکن بعد میں دونوں نے اپنے [illegible] ذمہ داریوں کو بدل لیا اور رئیس شاعری کے افق پر چمکے تو ملا نثر کی دنیا میں زیادہ چمکے اور انھوں نے [illegible] سے زیادہ جگمگایا۔ غرض کہ یہ دونوں [illegible] کا شانہ امیہ حسن امیہ علم و فن اور شعر و سخن کے آفتاب بن گئے۔

ملا امروہی کی نثر کی شہرت کا سبب ان کی بہت سی کہانیاں اور مکالمے بنے اور ان کی شہرت وقت کے ساتھ پھیلتی ہوئی۔

[illegible] ملا امروہی کی پہلی زبیب نواب [illegible] نے [illegible] معلوم [illegible] ایک [illegible] تو آپ نے کہا کہ میں اپنے گھر میں [illegible] زبان [illegible] میں نے اپنے [illegible] حضرت [illegible] امروہی سے یہی زبان سنی ہے۔

[illegible] ملا امروہی کی ایک کہانی کا انگریزی میں بھی ترجمہ کیا۔ ان کے [illegible] کا [illegible] لیکن [illegible] نے بھی [illegible] اور ان کی [illegible] اردو ادب کی تاریخ اور تہذیب کے [illegible] کی دربار خاص اور کئی تاج محل تعمیر کیے"۔

[illegible] ملا امروہی کی پانچ [illegible] جب انہیں معلوم ہوا کہ 20 سالہ نوجوان [illegible] کی خوب داد دی۔

[illegible] ملا امروہی [illegible] بھی گہرا لگاؤ تھا۔ تاریخ پر ان کی [illegible] کی تاریخ کا انھوں نے خاص [illegible] تحقیق

جا رہا تھا بڑی بڑی محفلیں تھیں۔

انھوں نے کم عمری میں حافظہ بھی غضب کا پایا تھا۔ فارسی کا دیوان تو انھیں پورا حفظ تھا۔ اور غالب و اقبال کے بھی کافی حد تک حافظ تھے۔ ظاہر ہے کہ حافظہ ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔ آہستہ آہستہ ان کے حافظے نے بہت پیچھا کیا تھا۔ کیونکہ عمر جتنی بڑھتی ہے حافظہ تو ڈھلتا ہے۔

بہر حال میر حسن میاں انیس حسن نفیس کا یہ پوتا میر مملکت ادب نیر سلطنت شعر و فن شجاع یار نظم فن اور تاجدار اقلیم کمال و ہنر جہاں امروہوی کا نونہال بدر کامل بن کر 11 فروری 1993ء موافق ممبئی سے ترکر ساحل سمندر پر غروب ہو گیا۔ کمال فن کا جنازہ اٹھ گیا۔ تقوی کا آفتاب غروب ہو گیا۔ آنکھیں بھیگ گئیں۔ انگلیاں دانتوں سے کھڑکھڑا گئیں اور اس خانوادے کی شعری تاریخ کا ایک باب بند ہو گیا۔ ان کی موت پر کئی ادبی فنی سیاسی سماجی اور قومی شخصیات نے اظہار افسوس کیا۔ شعرا نے مرثیے کہے۔ جدید تقریبی جلسے ان کی موت پر ہوئے ایک نے ایک مرثیہ کہا۔ تم نے ان کی دو نظمیں پڑھی ہوں گی۔ پہلی نظم میں تین بند ہیں۔ دوسری میں چار بند ہیں۔ میں نے مرثیے کا آغاز ترکیب بند میں کیا ہے۔

جس کی ہر بات ہو کمال کی بات
کیا کہوں ایسے بے مثال کی بات

[illegible] ان کی خدمت میں [illegible]
[illegible] ان کے قدموں پہ [illegible]
[illegible] یہ [illegible] زندہ [illegible]

یہ جو ہے لاجواب ہے یہ شخص
[illegible] ہے یہ شخص

آگے جوش کہتے ہیں کہ

آپ کو کیسی نیند آئی ہے — یہ تو ہم سب سے بے وفائی ہے
رنگ نے کی ہے آخری بچی — حسن فن نے شکست کھائی ہے
دل نے دھڑکن کا ساتھ چھوڑا ہے — شمع نے روشنی گنوائی ہے
رنگوں موسی ہے اب تاریخ — ایک تہذیب لڑکھڑائی ہے

ہونے والا ہے آخری دیدار
با ادب، با ملاحظہ ہشیار

[illegible] کا شہر یار کہاں — ور چہ کیسا شاندار، کہاں
ہے یہی وقت فن کی دنیا میں — فن کی دنیا کا تاجدار، کہاں
عظمتوں کی عظیم تر عظمت — فنکاروں کی یادگار، کہاں
گلشن حسن جب اردو! تھی ترکی آخری بہار، کہاں
وہ جہاں [illegible] ہیں — تو فدا جس پہ بار بار کہاں

سوگ میں ہے جمال کی رفتار
تربہ تربہیں جمال کے رخسار

جوش ملیح آبادی نے ایک مخصوص اور جدید اسلوب میں یہ مرثیہ کہا ہے۔ کہاں مرحوم کی صفات و خصوصیات، علم و فن، زبان و فن، خوش بیانی کا ذکر کرنے کے بعد رثائی لہجہ اختیار کیا ہے اور ایسے ہی مضامین بیان کیے ہیں۔ اسے ہم ایک منفرد جدید شخصی مرثیہ کہہ سکتے ہیں۔

جہاں تک کہاں مرحوم کی رثائی ادب میں خدمات کا سوال ہے تو وہ کس ادب سے واقف تھے اور انھوں نے اس کے مطالعے کا آغاز ابتدائی عمر سے ہی کیا تھا۔ ایک موقع پر راقم نے جب ان سے یہ سوال کیا کہ آپ کے خیال میں رثائی ادب کی خدمت ہماری طرف سے آپ نے مرحوم کے

تمام احباب رئیس، حیات، خادم، کلیم، فاضل، تابال اور نجم سب نے ہی مرثیہ، سلام اور نوحے میں کچھ نہ کچھ ضرور کہا ہے۔ لیکن آپ نے کچھ نہیں کہا؟ تو فرمانے لگے کہ یہ نہیں ہے۔ میں نے مذہبی مضامین بھی لکھے ہیں اور امام حسینؑ کے بارے میں اشعار بھی کہے ہیں۔ کربلا کے لیے سے توفیق متاثر ہوئے ہیں اور انھوں نے بہت کچھ کہا ہے۔ لیکن میں نے پوری توجہ کے ساتھ باضابطہ اور باقاعدہ طور پر نہیں کہا اور جو کچھ کہا وہ 30-25 سال کی عمر تک۔ اس کے بعد بالکل موقع ہی نہیں ملا۔ اور وہ سب کچھ محفوظ نہیں رکھ سکا۔ کہیں پرانے کاغذات میں شاید کچھ مل جائے۔ یہ گفتگو ان سے میری 1975ء سے 1980ء کے دوران ہوئی تھی جب میں مرثیہ نگاران امروہہ عنوان سے تحقیقی کام کر رہا تھا اور جو میری کتاب 1980ء میں 575 صفحات پر مشتمل پاکستان سے شائع ہوئی اور جس کا سرورق سادگی تہرت کے مصور و خطاط صادقین امروہوی نے بنایا تھا۔

جب میں نے ان سے یہ درخواست کی کہ اگر کچھ یاد ہو تو سنائیے تو انھوں نے دو تین شعر سنائے۔ لیکن یہ میری غفلت کہ میں نے نوٹ نہیں کیے اور ظاہر ہے کہ آج سے تقریباً 35 سال قبل سنے ہوئے شعر کیسے یاد رہتے۔ ایک شعر میں نے کہیں نوٹ کر لیا تھا وہ یہ ہے کہ

خدا کے دین کو جب تشنہ لب نہ دیکھ سکا
حسینؑ صبر کا دریا بہا دیا تو نے

بہرحال نہیں عزاداری شہدائے کربلا سے بے حد دلچسپی تھی اور تا حیات پابندی سے عشرہ محرم میں مروہہ تشریف لاتے رہے۔ دن میں جلوس عزا میں شرکت کرتے تھے اور شب میں مجالس میں شریک ہوتے تھے۔ مرثیہ وہ بڑی توجہ سے سنتے تھے اور محظوظ ہوتے تھے۔ محرم کے دس دنوں میں وہ فلمی دنیا کے

[illegible] یا نامور [illegible] کمال امروہی نہیں رہتے تھے بلکہ بھائی چندن، [illegible] چندن، ماموں چندن ہوجاتے تھے۔ ان کا گھر کا نام چندن تھا اور تمام عزیز [illegible] نام سے مخاطب کرتے تھے۔ وہ چندن آج سیکڑوں من مٹی کے نیچے ہے لیکن اس کی خوشبو اور اس کی مہک باقی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا نام ان کے وطن کی شہرت کا [illegible] ذریعہ بنا۔ [illegible] شیخ سعدی شیرازی نے شیراز، خواجہ معین الدین [illegible] نے چشت اور آیت اللہ [illegible] نے خمین کو شہرت بخشی اسی طرح کمال امروہی نے امروہہ کو شہرت بخشی۔

[illegible] تھا [illegible] مثال تھا

[illegible] کی حقیقت [illegible] کمال کی مثال تھا

[illegible] کی [illegible] اور [illegible] شاعر [illegible] میں شادی ہو کر آئے [illegible] [illegible] پاکستان [illegible] سید حیدر کمال امروہی کی ادبی زندگی کا آغاز [illegible] شاعری سے ہوا۔ [illegible] نے مشاعرے میں بعد میں قدم رکھا پہلے [illegible] [illegible] میں شامل ہوئے تھے۔

[illegible] کی ادبی زندگی میں شریک ہو کر [illegible] شریک زندگی بن جانے کے بعد [illegible] [illegible] کی شاعری کے [illegible] [illegible] [illegible] شاعر [illegible] [illegible] پاکستان [illegible] قدرت کی فیاضی [illegible] کا ثبوت تھی۔

[illegible] میں [illegible] شریک حیات ہونے کے بعد [illegible] (بینا مارکی) نے [illegible] کمال امروہی کی [illegible] میں [illegible] [illegible] کی شہرت نے بینا مارکی کا [illegible] دیا [illegible] شعر [illegible] [illegible] فلم میں بینا مارکی [illegible]

ادب میں ناز اور کہیں مینا کہلائیں۔ بچپن میں ان کے والد میوزک [illegible] علی بخش نے ناز اٹھائے تو جوانی میں جب بہو بن کر شوہر کے گھر آئیں تو وہاں صرف مینا بن کر نہ رہیں بلکہ وہ قابل ناز بھی بن گئیں۔

جب ناز نے شعر کہے تو ظاہر ہے کہ سب سے پہلے شریک حیات [illegible] مراد ہی نہ صرف شاعر و ادیب تھے بلکہ بڑے مفکر اور مفتی بھی تھے [illegible] تھی۔ ان کے مشوروں سے ناز کے کلام میں نکھار آیا۔ اس کے علاوہ ناز نے [illegible] کیفی اعظمی سے بھی مشورہ لیا۔ دراصل علی مراد اور کیفی اعظمی میں کافی قربت تھی۔ اس قربت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ناز نے کیفی اعظمی سے بھی مشورہ لیا۔ اب کیسے ممکن تھا کہ ناز ایک طرف رشتہ دار کے اتنے بڑے خاندان کی بہو ہوں اور دوسری طرف اس کیفی اعظمی سے بھی مشورہ نہ کریں جس نے ابتدائی دور میں ہی کافی کربلائی نظمیں کہی ہوں اور وہ خود اس موضوع پر [illegible] شعر کہتے ہیں۔

[illegible] ناز کی دیگر شاعری کا مجموعہ [illegible] پذیرائی [illegible] آ چکا ہے۔ اس کے علاوہ [illegible] مینا کماری کی شاعری [illegible] کتاب [illegible] نے بھی شائع کیا ہے۔

[illegible] اداکار بھی [illegible] اداکار تھیں۔

ناز کے اندر ایک چھپا ہوا [illegible] تھا [illegible] اندر [illegible] تھا [illegible] کا فیشن تھا۔ ایک شعر ملاحظہ ہو۔

اداسیوں نے مری آتما کو گھیرا ہے
روپہلی چاندنی ہے اور گھپ اندھیرا ہے
[illegible] کو بھی تم نہ [illegible]
اسے تو رہنے دو میرا، یہی تو میرا ہے

نازکی یہ غم پسندی ہی انھیں کربلا تک لے گئی اور متفرق اشعار کے علاوہ انھوں نے ایک مکمل سلام بھی کہا جسے حیدرآباد کے قدیم اور مقبول ہفت روزہ "بانگ درا" نے شائع بھی کیا۔ سلام بے حد مرصع اور ایک مخصوص لہجہ لیے ہوئے ہے۔ سلام پڑھ کر شاعر کی پختہ کاری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

سلام

عباس کا وہ غیظ وہ تیور جلال کے
خود موت رکھ رہی تھی قدم دیکھ بھال کے

صفدر کو مانگا شہ نے کلیجہ سنبھال کے
ہاتھوں پہ ماں نے رکھ دیا اس کو نکال کے

اصغر کے نہ جھولے سے بازو کے تین تھے
سینے سے لے گیا ہے کوئی دل نکال کے

انساں کے دل کا وزن یہ تھا حسین نے
میزانِ عدل میں علی اصغر کو ڈال کے

[illegible] نے شام غریباں کی [illegible]
[illegible] نے [illegible] کی آل کے

پیشانی نیاز جھکا دی حسین نے
مینا یزید نحس کو دوزخ میں ڈال کے

اس سلام پر مہر جہیں مرحوم المعروف مینا ماری مینا دیا ہوا ہے۔ (ہفتہ روزہ 'بانگ درا' اربعین نمبر حیدر آباد، 7 مئی 2002ء، صفحہ 30)

علامہ شفیق حسن ایلیا کے دوسرے فرزند سید محمد تقی تھے جن کی ولادت 12 مئی 1917ء کو امروہہ میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر سید مدارس امروہہ میں عربی، فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد الہ آباد بورڈ سے امتحانات دیے اور پھر عربک کالج دہلی سے ایم اے کی سند حاصل کی۔ اس کے علاوہ اورینٹل کالج لاہور سے مولوی، فاضل کا امتحان پاس کیا۔ 1948ء میں پاکستان ہجرت کی اور کراچی میں سکونت اختیار کی۔ سیاسی شعور نوجوانی میں ہی بیدار تھا اور ایک خاص قومی جذبے کے مالک تھے۔ نظریاتی ساتھیوں میں پروفیسر ممتاز احمد نقوی اور قائم امروہوی وغیرہ تھے۔

سید محمد تقی نے صاحب علمی نے زمانے سے ہی لکھنا شروع کر دیا تھا۔ میرٹھ میں ساغر نظامی کے ساتھ مل کر ایک ماہنامہ 'شیشہ' نام سے بھی جاری کیا۔ اور جب دہلی آئے تو 'شمع' رسالے کا اجرا ہوا تو اس کے پہلے مدیر ہوئے اور شمع کو کافی ترقی دی۔ بعد میں 'شمع' ہند و پاک کا سب سے مشہور فلمی رسالہ بن گیا۔ فلموں پر تبصرے لکھنے کے بانی بھی سید محمد تقی صدر ہی تھے۔ اس سے پہلے فلموں پر تبصرہ لکھنے کا رواج نہیں تھا۔

پاکستان پہنچنے کے بعد محمد تقی کا شمار کے نامور صحافیوں میں شمار ہونے لگا اور ایک وقت وہ بھی آیا کہ آپ صف اول کے صحافی ہو گئے اور اس وقت کے دنیا کے سب سے بڑے اور کثیر الاشاعت اخبار روزنامہ 'جنگ' کے چیف ایڈیٹر ہو گئے اور ان کے اداریے اردو کے دوسرے اخبارات کثرت نقل کرنے لگے۔

فسانہ نگار و صحافی کے علاوہ محمد تقی صدر کی ایک حیثیت اور بھی بہت اہم تھی۔ یعنی وہ ایک عظیم فلسفی تھے۔ فلسفے پر ان کی تصانیف عالمی شہرت کی مالک ہیں۔ جن کا ترجمہ دیگر زبانوں میں بھی ہوا ہے۔ ان کی مندرجہ ذیل تصانیف بہت مشہور ہیں مثلاً [illegible] کا تصور اوریت، [illegible] فلسفہ اور سائنس، تاریخ اور کائنات میں انسان، [illegible] فلسفہ، ہندوستان پس منظر اور پیش منظر، منطق فلسفہ اور سائنس، [illegible] (انگریزی)، نیو کنسیپٹ آف دی یونیورس (انگریزی) وغیرہ آپ نے ترجمہ میں ترجمہ کی مشہور کتاب 'Mysterious Universe' کا اردو ترجمہ [illegible] کائنات، [illegible] کی کتاب Aims of Education کا ترجمہ [illegible] تعلیم، جو [illegible] کی کتاب کا ترجمہ جمہوریت اور تعلیم کے عنوانات سے بہت مشہور ہوئے اور عالمی شہرت حاصل کی۔

محمد تقی صدر کے بارے میں اپنی کتاب دبستانوں کا دبستان میں تحریر کرتے ہیں کہ

"وہ برصغیر کے ممتاز صحافی، دانشور، تبصرہ نگار اور بڑے مشہور فلسفی تھے۔ محمد تقی کا شمار ایک کے نامور صحافیوں میں ہوتا تھا۔ وہ ایک بہت بڑے فلسفی بھی تھے۔ ان کی فلسفیانہ زندگی کا ذکر کرتے ہوئے غازی صلاح الدین نے کہا "سید محمد تقی ایک فیاض انسان تھے۔ انہوں نے انسان دوستی کو ہمیشہ مقدم رکھا۔ وہ تمام زندگی علم و ادب کے فروغ کے لیے کوشاں رہے۔ ہر زندہ معاشرے میں فلسفے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ لیکن ہمارے ہاں یہ صورت نہیں ہے ہمیں اس کا اعتراف ہے کہ ہم نے سید محمد تقی کی فلسفیانہ فکر سے خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں کیا۔"

(دبستانوں کا دبستان، کراچی، حصہ اول، صفحہ 412-413)

[illegible] جہاں تک صدر کی شاعری کا تعلق ہے تو وہ شاعر صدر جو جوانی میں تھے

[illegible] آنے والے وقت میں [illegible] شاعر صدر [illegible] مشاعروں، جلسوں، کانفرنسوں، مذاکروں، سمپوزیم اور سیمیناروں کے صدر ہوں گے۔ شاعری کی تاریخ پر نظر رکھی۔ شاعری کی تنقید اور شاعری پر تبصرے کیے لیکن شاعری کی تخلیق ختم ہو گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ شاعری تو انھوں نے [illegible] کی [illegible] لیکن وہ ایک فلسفی کا دماغ اور ایک صحافی کا دل لے کر پیدا ہوئے تھے۔ یہ دونوں [illegible] آخری وقت تک جاتے رہے۔

صدر نے 1982 میں جب راقم پاکستان کے [illegible] مشاعرے میں [illegible] لے گئے تھے تو چند کتابیں بطور تحفہ دی تھیں جن میں [illegible] نظریہ [illegible] تھی۔ یہ کتاب ایک عالم مولانا سید امید حسن صاحب قبلہ پیلی بھیت کا [illegible] لکھنؤ مطالعے میں آ چکی تھی۔ اس وقت [illegible] کا ایک [illegible] رہا۔ [illegible] نے فرمایا کہ یہ کتاب ایسی ہے کہ ایک بار [illegible] پڑھ [illegible] اور [illegible] خوشی میں [illegible] کتاب کا [illegible]

بہرحال جہاں تک صدر کی شاعری کا تعلق ہے [illegible] کے حوالے سے [illegible] شاعری کا [illegible] ایک سلام کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہم ہیں اس فخر مسیحا کے طلبگاروں میں
جس کے خود نانی مصدق بھی ہیں بیماروں میں

دیکھ کر شان علی طور سے موسیٰ بولے
ہم بھی ہیں قوم نصیری کے عزاداروں میں

مدحت حیدر کرار میں کہتا ہوں جو شعر
بجلیاں ان کو سے پھرتی ہیں منقاروں میں

جس کو خالق نے پیمبرؐ کا دیا حسن ملیح
ہیں ملیحان جہاں اس کے نمک خواروں میں

دیکھ کر روئے علی یوسف کنعاں نے کہا
حسن یہ فرد ہے عالم کے طرحداروں میں

اس کی اک ضرب پہ عالم کی عبادت ہے نثار
شور تکبیر تھا جس تیغ کی جھنکاروں میں

پار بیڑا کیا شبیرؑ نے پیاسے رہ کر
کشتی دین محمدؐ تھی جو منجھداروں میں

جام پر جام اڑاتے ہیں جہاں پر جبریل
صدر، میں صدر ہوں اس بزم کے میخواروں میں

[illegible] چند صدر کی جوانی کے ہیں لیکن ان میں پختگی ہے اور یہ [illegible] اور رثائی شاعری کی بھی بھرپور صلاحیت تھی ان کا قلم اگر اس [illegible] کامیاب ہوتے [illegible] ایک شاعر کی حیثیت سے [illegible] حاصل کرتے۔

خاندان کمال امروہی میں ایک نئی فکر، نیا جذبہ، نیا آہنگ، نیا اسلوب اور ایک نئی لَے کے ساتھ ساتھ ایک نیا مزاج لے کر پیدا ہونے والے کا نام جون ایلیا ہے۔ کمسنی سے ہی شعر کہنے شروع کر دیے تھے۔ مشاعرے کا یہ عالم کہ جہاں بھی سگریٹ خریدنے کو بھی نکلے تو ہاتھ میں کتاب کھلی ہوئی اور نظریں اس پر جمی ہوئی۔ اب چاہے سڑک پر چلتے ہوئے انھیں ٹھوکر نہیں لگتی تھی۔ راقم بھی اس وقت کمسن تھی لیکن یہ سب کچھ اس وقت مشاہدے میں رہا ہے۔

جون ایلیا کے والد علامہ شفیق حسن ایلیا کا آخری دور تھا۔ گھر میں ایک طرف ان کے ملنے والے اور تلامذہ آتے تھے تو دوسری جانب جون ایلیا کے شاگرد جمع رہتے تھے۔ یعنی عنبر امروہوی، جالب امروہوی اور رضا امروہوی وغیرہ وغیرہ آپ سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ اس طرح آپ نے اپنے والد سے اسی عمر میں اتنا سیکھ لیا تھا کہ استادی کے درجے پر فائز ہو گئے تھے۔

جون نے شعر کہنے کا یہ حال تھا کہ اس دور میں امروہہ میں ہونے والی ریاضتی محفل کی نظامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ جو شاعر اپنا کلام پڑھ رہا ہوتا اس کی زمین میں فی البدیہہ شعر کہہ کر اگلے شاعر کو دعوت سخن دیتے تھے۔ شعر کہنے کا یہ حال تھا کہ شاید ہی کوئی ایسا ہو کہ محلے میں کسی کی شادی ہوئی ہو اس سے پہلے کہ کسی نے نیت کی فرمائش کر دی۔ آپ نے اسی وقت نیت کہہ کر دے دی۔ اس وقت تک ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ جب ان سے شادی کو کہا گیا تو انھوں نے ایک نیت شادی کی مخالفت میں کہہ دیا۔ مطلع ہے

کبھی اے جون تم شادی نہ کرنا
خیال خانہ بربادی نہ کرنا

[illegible]

قربت بڑھ گئی۔ انھیں جون بھوا اماں کہتے تھے۔ پھر شادی اور رشتے کا ذکر ہو تو ایک گانا پہلے گانے سے بالکل مختلف کہہ دیا۔ اس کا مطلع ہے۔

تڑپتی ہیں بھوا اماں مری نسبت نہیں ہوتی
ہمارے شہر میں شاعر کی کچھ عزت نہیں ہوتی

جون بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے۔ حالانکہ انھوں نے نظمیں بھی کہیں لیکن مزاج غزل کا پایا تھا۔ ویسے انھوں نے نثر بھی لکھی ڈائجسٹ اور جرائد کے اداریے بھی لکھے لیکن غزل سب پر حاوی تھی۔ وہ شاعر تھے۔ اور گلے گلے تک اس میں غرق تھے اور سرتاپا شاعر تھے۔ ان کے اندر کا شاعر شاید اس وقت بھی نہیں سوتا تھا جب وہ سو جاتے تھے۔ جوانی میں نہ جانے کتنی منقبتیں کہیں جو مرثیہ میں بہت مقبول بھی ہوئیں۔ ایسی ہی ایک منقبت کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

پشتِ رسولِ پاک پر جلوہ نما امام دو
مرکبِ خوش خرام ایک، راکبِ لالہ فام دو

ذاتِ محمدؐ و علیؑ اصل ہے ایک نام دو
میکدۂ وجود میں بادہ ہے ایک جام دو

سرخیٔ سازشِ چمن، شوخیٔ غارۂ شفق
خوب ہے حسنِ خون جگر سے کام دو

نذرِ وکربلا حاصلِ عشرت و عزا
بزمِ سخن کی جان ہیں اصل میں یہ کلام دو

(پندرہ روزہ حدیث دل، دہلی، صفحہ 3)

امام زین العابدینؑ کی مدح میں ایک نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نادم ہو نہ کیوں عابدؑ دلگیر سے زنجیر
ہے زحمت پا گردشِ تقدیر سے زنجیر
ساقوں پہ جو ہیں نقش تو ہیں نیل گلو میں
ہے طوق سے اک طوق تو زنجیر سے زنجیر
بیمار کو ہوتی ہے جو رفتار سے زحمت
اٹھتی ہے اسی فکر میں تاخیر سے زنجیر

('بیمار مسیحا' مرتبہ عنبر امروہوی، صفحہ 7)

جون ایلیا انتقال سے چند سال پہلے جب ہندوستان آئے تھے تو امروہہ میں 'حسینیہ' (منقبتی مشاعرہ) میں شرکت فرمائی تھی اور منقبت پیش کی تھی۔

جون ایلیا نے جب منقبت کہنی کم کر دی تب بھی ان کی غزلوں میں ان کی منقبتی اور رثائی فکر سامنے آتی رہی۔ مثلاً ایک غزل میں کہتے ہیں کہ

آج بھی تشنگی کی قسمت میں سم قاتل ہے سلسبیل نہیں
اے عزادارو! کرو مجلس بپا آدمی انسان کو مار آئے تو

رثائی ادب کی اہم ترین صنف نوحہ ہے۔ کیونکہ مرثیے اور سلام میں مدح و ثنا کے شعر بھی ہوتے ہیں۔ لیکن نوحہ خالص رثائی صنف ہے۔ جون نے ہندوستان کے ہی قیام کے دوران نوحے بھی کافی کہے۔ جسے امروہہ کی انجمنوں نے بھی پڑھا۔ ''انجمن جاں نثاران حسینؑ'' بھی آپ کا کلام پڑھتی تھی۔ اسی دور میں آپ کا ایک نوحہ بے حد مقبول ہوا جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

[illegible] کے غم اٹھائے جا رہے ہیں جفا کے تیر کھائے جا رہے ہیں
ورقِ قرآن ناطق کے غضب ہے پریشاں رن میں پائے جا رہے ہیں
فدا کرنے کو دینِ مصطفیٰ پر علی اکبر سجائے جا رہے ہیں
علی صفِ تبسم میں تمہارے گلے امت کے پائے جا رہے ہیں
قدم دوشِ نبوت پر تھے جن کے وہ کانٹوں پر پھرائے جا رہے ہیں
بٹھاتے تھے نبی کاندھوں پہ جن کو وہ نیزوں سے گرائے جا رہے ہیں
وہ جس کا جسم ہے جسمِ رسالت اسے دُرّے لگائے جا رہے ہیں
ہوا تھا جون قائم جن سے پردہ وہ بازاروں میں لائے جا رہے ہیں

جہاں تک جون ایلیا کی مرثیہ نگاری کا تعلق ہے تو انھوں نے کربلائی مرثیہ تو کوئی نہیں کہا۔ البتہ شخصی مرثیے ضرور کہے۔ جن میں پہلا مرثیہ امروہے کے نامور طبیب حکیم سید محمد مرحوم عرف اچھو کے انتقال پر کہا۔ جن کی وفات 28 اکتوبر 1956ء کو مرادآباد میں ہوئی تھی۔ یہ مرثیہ خاصہ طویل ہے لیکن مسدس کی form میں نہیں ہے اور ایک بہت نرالے فارم میں کتابت ہوا۔ حکیم صاحب مرحوم کے صاحبزادے جو راقم کے نواسے سید عادل منظر سلمہ سے حاصل ہوا ہے۔ مرثیے کا آغاز جون کی صراحی کرتے ہیں

[illegible] حیات [illegible] نہیں کچھ نہیں کائنات کچھ بھی نہیں
[illegible] عشرت و [illegible] صرف باتیں ہیں، بات کچھ بھی نہیں
[illegible] اک دھنواں ہے یہ رات کچھ بھی نہیں
[illegible] زندگی کی برات کچھ بھی نہیں
[illegible] چارہ [illegible] ہوں جنہیں بیمار
[illegible] کچھ نہیں صحت و مرض یہ مدار

مرثیے کے چہرے کے ان اشعار میں بے ثباتی عالم اور ناپائیداری دنیا کا جس فلسفیانہ انداز میں بیان کیا ہے وہ جون ایلیا کے مفکرانہ ذہن کا عکاس ہے۔ آگے اسی موضوع کو کربلا سے ہمکنار کرتے ہیں اور پھر اپنے اصل مقصد کی جانب بڑھتے نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

قصرِ انفاس اتنا بے بنیاد — خانہ مرگ زندگی برباد
اک تخیل ہے کائنات جہاں — اک تمسخر ہے عالم ایجاد
کیسے لوگ اور ان پہ یہ آفت — کیسے دل اور ان پہ یہ افتاد
کیسے شاداب پھول کمہلائے — کیسے آباد گھر ہوئے برباد
سوگواروں کی زیست کا مقصد — صرف اک یاد اور کیسی یاد
دل برباد عمر بھر آہیں — لب فریاد عمر بھر فریاد

آج ہر دل کی آس ٹوٹ گئی
خود مسیحا کی نبض چھوٹ گئی

اس کے بعد جون ایلیا ایک خاص علامتی انداز میں موت کے شکوہ سنج ہیں۔ اس حصے میں غم و الم اور رنج و ملال پنہاں کر کے رثائی ماحول، بکائی کیفیت اور مرثیائی فضا پیدا کی ہے۔ کہتے ہیں کہ

کس کا لوٹا ہے کارواں تو نے — کیا کیا مرگ ناگہاں تو نے
وقت کے دل پسند نغموں کو — کردیا نالہ وفغاں تو نے
چھین کر ایک جان شیریں کو — تلخ کردی ہے داستاں تو نے
ناز پروردگانِ دولت کو — کردیا آج بے اماں تو نے
[illegible] — توڑ ڈالا ہے ساز جاں تو نے
[illegible] آنکھوں کو — کردیا آج خوں فشاں تو نے

آفتاب جہان حکمت کو اے فلک کھو دیا کہاں تو نے

یہ خبر اف یہ حشر خیز صدا

اس خبر کا یقیں نہیں آتا

مرثیہ جیسے جیسے آگے بڑھتا ہے ویسے ویسے رنج و غم کے ماحول میں اضافہ ہوتا ہے اور جذبۂ غم زدگی بڑھتی رہتی ہے چنانچہ ایسے فرماتے ہیں کہ

خود مسیحا اجل سے ہار گیا زندگی تیرا اعتبار گیا

موت بھی ہاتھ مل رہی ہوگی یہی پچھتا زندگی گزار گیا

آج سب فن ہوئے برباد آج قانون کا وقار گیا

درد مندوں غم کہاں جائیں اب کیا روزگار گیا

آہ دیرانشا کی ویرانی آج اس گھر کا رب ہار گیا

یہ نظر نے آج کس کو دیکھا جو بھی آیا وہ شکبار گیا

[illegible]

[illegible]

اس کے بعد حکیم سید احمد مرحوم کے اوصاف بیان کیے ہیں اور موت کے وقت ان کے عزیزوں کی منظر کشی کی ہے۔ مرثیہ کا آخری حصہ صرف چند بیتیں پر مشتمل ہے۔

تو نہیں اے حبیب ثانی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ان کی عظمت کا کچھ حساب نہ تھا
شہر کیا دور تک جواب نہ تھا
ان کی ہر بات یاد آتی ہے
رات سینے میں تلملاتی ہے
غم سے فریاد کرتے رہتے ہیں
ہم انھیں یاد کرتے رہتے ہیں

جون ایلیا کا وہ مرثیہ جو انھوں نے اپنے چچا زاد بھائی کمال امروہوی کی رحلت پر کہا ہے وہ بھی اسی بحر اور اسی Form میں ہے۔ جس میں انھوں نے خاندان کے تمام بزرگوں کا ذکر بڑے فنکارانہ انداز میں کیا ہے۔ تقی، میر تقی میر، انیس، شفیق، وحید اور محمد تقی ان تمام ناموں سے فائدہ بھی اٹھایا ہے۔ اس کے بعد مرحوم کے والد کمال امروہوی کا ذکر کیا ہے۔ ایک بند ملاحظہ ہو۔

تھا وہ نام و نشان مرحوم — رونق خاندان امروہہ
اس کے غم میں یہ چشم بھیگی ہے — نوحہ خوان امروہہ
اس کا غم سارے شہر کا غم ہے — تھا وہ جان جہان امروہہ
یہ امروہوں کہ کیا ہے جان تھی اس کی جان امروہہ

کیسا نقصان ہوگیا اپنا
شہر سنسان ہوگیا اپنا

مرثیہ کہتے وقت جون کے ذہن میں ان کے خاندان کی پوری تاریخ اور پوری تہذیب رہتی ہے۔ خاندان کا ہر شخص ذہن کے کینوس پر ابھرتا ہے۔ اور خاندان کے نامور فرد کی موت مسلسل نہیں اندر سے توڑ دیتی ہے۔ وہ اپنے غم [illegible] رنجیدہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنا غم بانٹنا بھی نہیں چاہتے بلکہ صرف غم پسند نہیں وہ

ایذا پسند بھی ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ

میرے برباد گھر کی بنیادو! ب نہ دل کو مرے سہارا دو
اے مرے داغ ہائے دل مجھ کو پنی سوزش سے اور ایذا دو
سبھ کے شغل کو نہ سننے دو اے مرے شہر جاں کی فریادو!
آج کا دن نہیں شراب کا دن آج تو مجھ کو زہر پلوادو
یہ جنازہ ہے شوکت فن کا بل فن! اس کو بڑھ کے کاندھا دو

تھا جو بے مثل و بے مثال گیا
اپنی تہذیب کا کمال گیا

اس کے بعد اور بھی بند ہیں مگر آخری بند کی بیت جس پر مرثیہ کا اختتام ہوتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے۔

[illegible] پڑھا [illegible] انسان
[illegible] فن [illegible] فان

[illegible] امروہی کی موت پر [illegible] جون ایلیا کا یہ مرثیہ [illegible] ادب میں ایک [illegible] ہے۔ مرثیہ [illegible] مرثیہ کی تاریخ میں [illegible] اعتبار سے [illegible] کی [illegible] مرثیہ کی [illegible] میں [illegible] جون نے [illegible] لطافت [illegible] [illegible] اور [illegible] اسلوب کے [illegible] دونوں مرثیوں کو ایک جداگانہ [illegible] مرثیوں میں [illegible] جوان [illegible] [illegible] پسندی نے [illegible] رہا [illegible] شاعر [illegible] یہ دونوں مرثیے مرثیہ نگاری کا اعلیٰ نمونہ اور اس میں [illegible] ہیں۔

[illegible] سید عثمان حیدر [illegible] شاعر

ہوئے۔ نوحہ اور سلام بھی کہے اور صحافت سے بھی تعلق رہا۔ نواب وقار الملک مشتاق حسین چونکہ امروہہ کے رہنے والے تھے اور بانیان مسلم لیگ میں تھے۔ جس کے اثرات پورے امروہہ پر تھے۔ 1938ء میں سید سخا حسین نقوی وکیل، سابق چیئرمین میونسپل بورڈ امروہہ کے دیوان خانے میں مولانا شوکت علی مرحوم (جو امروہہ کے نواسے تھے) کی صدارت میں جلسہ ہوا تھا اور مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اس میں ہی ہفتہ وار "مسلم فیڈریشن میگزین" کا اجرا ہوا تھا۔ چونکہ یہ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا ترجمان تھا اس لیے اس میں اسی قسم کا مواد شائع ہوتا تھا۔

اس اخبار کے ایڈیٹر خادم امروہوی اور سب ایڈیٹر عمران حیدر حسینی تھے۔ حسینی نے غزل کے علاوہ نظمیں بھی کہیں جو زیادہ تر سیاسی ہوتی تھیں۔ لیکن اس دور میں نوحہ خوانی اور نوحہ گوئی کا بھی ایک ماحول تھا اس لیے نوحے بھی کہے۔ حسینی نے تقسیم کے بعد پاکستان ہجرت کی۔ لیکن پاکستان جانے کی ان کی آرزو میں کم ہو گئیں جو پھر ہندوستان میں رہا وہ بھی ساتھ لے گئے۔ اس لیے رثائی کلام کا ایک نمونہ وثوق سے ان کا کہا جا سکے حاصل نہیں ہو سکا۔

فیڈریشن میگزین کے بعد 1945ء میں خادم امروہوی نے "ہلال" نکالا۔ جس کی زیادہ عمر نہیں ہوئی لیکن اس کے سب ایڈیٹر بھی عمران حیدر حسینی اور پروفیسر بزم انصاری بھی رہے۔ اب ان اخبارات کا صرف ذکر ملتا ہے نمونہ دستیاب نہیں ہوتا۔

کمال امروہوی کے اکلوتے فرزند تاجدار امروہوی کی رگوں میں دوڑنے والے باپ کے خون نے چھپے ہوئے فنکار کو بحیثیت شاعر پڑھنا خیر سے بیدار کیا۔ انہیں باپ سے نہ صرف قلم ورثے میں مل گیا تھا بلکہ دیگر صلاحیتیں بھی کافی تھیں۔ کمال امروہوی کی آواز بھی انہیں ہی ملی تھی۔ لیکن چھپا ہوا شاعر سامنے نہیں آیا تھا۔

فلم رائٹر اور ڈائرکٹر کی حیثیت سے تو وہ متعارف کافی پہلے ہو گئے تھے لیکن بحیثیت شاعر پوری طرح تقریباً 1997-98ء میں سامنے آئے۔ اس سے تقریباً 7-8 سال قبل انھوں نے صرف ایک گیت اپنی فلم کے لیے کہا تھا۔ نقوش نقوی رقم طراز ہیں کہ "تاجدار بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کئی فلمیں بنا چکے ہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

جب سے دیکھا آپ کو اس دل میں بس آپ ہیں — میرا دل میرا جگر میری رگ جاں آپ ہیں
چپ نہ پاتے میرے دل کے گھر پہ قبضہ کر لیا — میں سمجھتا تھا بھی کم ان میں نادان آپ ہیں

(تذکرہ شعرائے امروہہ، کراچی پاکستان، صفحہ 383)

راقم چونکہ تاجدار سے اس وقت سے واقف ہے کہ جب وہ شعوری سرحدوں میں قدم رکھ رہے تھے۔ ان کی مرکزی تعلیم حاصل کرنے کے سبب ان کا وقت میں گزر رہی تھی لیکن اس کے باوجود ان میں بھی ان کا خاندانی خون ہمیشہ جوش مارتا رہا اور شعر و سخن کی کشش اور ان کی شیریں اور خاندانی زبان کا انھوں نے کبھی ساتھ نہیں چھوڑا۔ اس دوران بھی ان سے مل کر یہ احساس بہ آسانی ہو سکتا تھا کہ ان کے اندر بے ساختگی پرورش پا رہی ہے۔

[illegible] وقت جب شعر سے بڑھ کر شاعری تک آیا تو گیت کے بعد چند غزلیں بھی کہیں اور 1997-98ء سے نعت منقبت [illegible] اور نوحے کہہ کر اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کا ثبوت دیا۔ انھوں نے پانچ کالموں کے علاوہ دوہے اور مرثیے بھی لکھے ہیں۔

تاجدار نے شعر و سخن کی دنیا میں حسن کارکردگی کے ایک جہت [illegible] 8-10 سال قبل پیش کیا تھا۔ [illegible] قدر [illegible] مرکزی وزیر کی [illegible] سے شیئر [illegible]

حضرات اور اعلیٰ سامعین کے سامنے پیش کیا تھا اور سب نے بہت پسند فرمایا تھا اس کے چند بند ملاحظہ ہوں۔

اے خدا خدا ، اے خد خدا
یہ زمیں تری، یہ زماں ترا
یہ ہیں گل ترے، گلستاں ترا
کشتیاں تری، بادباں ترا
کہکشاں تری، آسماں ترا

سب فنا فنا ، تو بقا بقا
اے خدا خدا، اے خدا خدا

ہم جمیل ہیں، اور جمال تو
ہم ہیں خواب اک، اور خیال تو
ہم زوال ہیں، اور کمال تو

چھوٹے چھوٹے ہم،تو بڑا بڑا
اے خدا خدا، اے خدا خدا

ہم جبہ تری، ہم گہر ترا
ہم حجر ترا، ہم حجر ترا
راہ رو ترا، رہبر ترا
کل جہاں ترا، ہم بشر ترا

ہم [illegible]
اے خدا خدا، اے [illegible]

تو غفور بھی ہے، رحیم بھی
تو نعیم بھی ہے، کریم بھی
تو علیم بھی ہے، عظیم بھی
تو علام بھی ہے، کلیم بھی

ہم قضا قضا، تو سدا سدا
اے خدا خدا، اے خدا خدا

یہ غزل مدا انھیں دنوں روزنامہ راشٹریہ سہارا میں بھی شائع ہوئی تھی۔

یت کے انداز میں تاجدار نے نعتیں بھی کہیں۔ لیکن مرثیہ گوئی پر زیادہ توجہ کی۔ دراصل وہ بچپن سے ہی پابندی سے ایام محرم میں مرثیہ پڑھتے تھے اور مجالس اور جلوس عزا میں شرکت کرتے تھے۔ اسی عزائی فضا نے انھیں علامہ علی کی جانب زیادہ راغب رکھا۔

حسینیہ دربار شاہ ویت میں شب کو ہونے والی مجلس 6 محرم کو اسی خانوادے کی جانب سے ہوتی ہے۔ جس میں کئی سال مجھے بھی اپنا جدید مرثیہ پیش کرنے کا موقع ملا۔ ایک سال بندو زادہ مہران امروہی سلمہ نے بھی مرثیہ پڑھا ہے۔ غالباً 2000 میں تاجدار نے اس مجلس میں مجھے مرثیہ پڑھنے کو کہا تو میں نے اس شرط کے ساتھ وعدہ کر لیا کہ وہ اس مجلس میں اپنا کوئی مرثیہ نہیں کہیں گے۔ بہرحال انھوں نے مرثیہ کہا اور سامعین بہت محظوظ ہوئے۔ وہ سلام مندرجہ ذیل ہے اور یہی سلام بعد میں لکھنؤ کے مشہور اخبار قومی آواز نے بہت نمایاں انداز میں شائع کیا۔

سلام

شبیرؑ زندہ باد، اے شبیرؑ زندہ باد
تو نے بڑھائی دین کی توقیر زندہ باد

سجدہ وہ تیرا بن گیا سجدوں کی آبرو
سجدہ کیا ہے جو تہہِ شمشیر زندہ باد

تو نے بچایا ہے نماز و اذان کو
قائم ہے تیرے دم سے ہی تکبیر زندہ باد

تو نے بچایا کعبے کا بجھتا ہوا چراغ
تجھ سے چراغ کعبہ کی تنویر زندہ باد

تو نے نبیؐ کا خواب حقیقت بنا دیا
خواب خلیل پاک کی تعبیر زندہ باد

کرب و بلا کو صبر کا کعبہ بنا دیا
کی تو نے اپنے خون سے تعمیر زندہ باد

کوفے کے ذرے ذرے سے آتی ہے یہ صدا
دختر علی کی زینبِ دلگیر زندہ باد

کربل کے اے مجاہد اعظم ترے نثار
شہ رگ سے تو نے توڑ دیا تیر زندہ باد

تقریر سے ہلا دیا دربار شام کو
اے شیر دل حسین کی شمشیر زندہ باد

جھنکار جس کی بن گئی آزادی کا سبق
عابد تمہارے پاؤں کی زنجیر زندہ باد

وہ جس نے مسکرا کے ہرایا ہے تیر کو
اے بے زباں حسین کے بے شیر زندہ باد

ایک اور سلام کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

زمین مقتل لرز رہی ہے حسین میداں کو جا رہے ہیں
ماں ہے نڑیل جواں کا شہ قدم یونہی ڈگمگا رہے ہیں

حسین انسانیت کا دشمن کو یہ سبق بھی سکھا رہے ہیں
وہ راستے میں ملا ہے پیاسہ یہ اس کو پانی پلا رہے ہیں

تری شہادت نے دو جہاں کو حسین وہ روشنی عطا کی
کہ بام و در سب خدائے گھر کے بھی تک جگمگا رہے ہیں

تاجدار کے آخر پیا 7 سلام اور 5 نوحے رقم کی نظر سے گزرے ہیں۔

بہر حال یہ بات باعث فخر و مسرت ہے کہ وہ سلسلہ شاعری جو عطا سے شروع ہو کر سلطان، شاہان، امیر، نصیر، ہلال اور کمال سے ہوتا ہوا تاجدار تک آیا ہے ابھی تک باقی ہے اور وہ اپنے خانوادے کی علمی و ادبی آٹھویں پشت ہیں۔ میر انیس نے فرمایا تھا کہ

ع۔ پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

خاندانِ فرزدق ہند شمیم امروہوی میں آخر شمیم امروہوی پاکستان میں چھٹی پشت ہیں، کیونکہ ان کے والد شاعر آل محمد نسیم امروہوی نے ایک مرثیے کے ساقی نامہ میں ساقی سے مخاطب ہو کر اس بات کا اظہار اس طرح کیا ہے کہ

پانچ پشتوں سے ہوں پھیری میں لگانے والا
بے مئے ناب پئے اب نہیں جانے والا

بہر حال ادبی خانوادوں میں یہ بات سرمایہ افتخار مانی گئی ہے کہ کتنی نسلوں سے قلم کا سفر جاری ہے۔ اس اعتبار سے بھی خاندان کمال امروہی امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور خدمات بھی اس قدر اور ناقابل فراموش ہیں۔ اس خانوادے کی صرف رثائی ادب میں خدمات کا یہ ایک سرسری جائزہ ہے۔

اب ہلال کے غیر مطبوعہ سلام اور مراثی پیش ہیں

کتابیات

انوار رقم — سید صغیر حسن — کراچی، پاکستان
اردو مرثیہ پاکستان میں — سید ضمیر اختر نقوی — کراچی، پاکستان

[illegible]	رئیس امروہوی	کراچی، پاکستان
[illegible]		آگرہ، انڈیا
[illegible]	منیر امروہوی	امروہہ، انڈیا
تذکرۂ علمائے امروہہ	مولانا سید شبیر حسین	دہلی، انڈیا
تذکرہ شعرائے امروہہ	نقوش نقوی	کراچی، پاکستان
تنظیم محلہ دربار شاہ ولایت	سید محمد مجتبیٰ	امروہہ، انڈیا
تاریخ امروہہ	محمود احمد عباسی	ممبئی، انڈیا
تذکرۃ الاکرام	محمود احمد عباسی	انڈیا
تاریخ واسطیہ	سید رحیم بخش	امروہہ، انڈیا
تذکرہ مرثیہ نگاران اردو جلد ۲	امیر علی جونپوری	لکھنؤ، انڈیا
تاریخ اصغری	سید اصغر حسین	امروہہ، انڈیا
حسین اور حسینیت	رئیس امروہوی	کراچی، پاکستان
دبستانوں کا دبستان جلد اول	احمد حسین صدیقی	کراچی، پاکستان
دیوان مصحفی	شیخ غلام ہمدانی مصحفی امروہوی	لکھنؤ، انڈیا
دبستان دبیر	ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی	انڈیا
[illegible]	ذکر عظیم امروہوی	دہلی، انڈیا
[illegible]	علامہ شفیق حسن ایلیا	قلمی
[illegible]	نجاز حسین جارچوی	انڈیا
[illegible]	[illegible]	کراچی، پاکستان

شعرائے امروہہ	مصباح احمد صدیقی	نئی دہلی، انڈیا
مرثیہ نگاران امروہہ	عظیم امروہوی	کراچی، پاکستان
معراج نفس رسولؐ	علامہ شفیق حسن ایلیا	کراچی، پاکستان
نگاہ فقر	پروفیسر خلیق احمد نظامی	انڈیا
نغمۂ شبیر حصہ دوم	شبیر خاں شبیر	امروہہ، انڈیا

اخبارات، رسائل و جرائد

العلم، سہ ماہی	علی جواد زیدی	ممبئی، انڈیا
پیام حیدر، ماہنامہ	امیر حسن امیر	دہلی انڈیا
تاج، ماہنامہ	امیر حیدر کمال	لاہور، پاکستان
جنگ، روزنامہ	جوش ملیح آبادی	کراچی، پاکستان
حیات، ماہنامہ	حیات امروہوی	امروہہ، انڈیا
حدیث دل، پندرہ روزہ	محمود نقوی	دہلی، انڈیا
رابطہ، ماہنامہ	اقبال حیدر	نئی دہلی، انڈیا
ساقی، ماہنامہ	———	دہلی، انڈیا
فیڈریشن میگزین، ہفتہ وار	خادم امروہوی	امروہہ، انڈیا
نگار، ماہنامہ	نیاز فتح پوری	کراچی، پاکستان
نظارہ، ہفتہ وار	فضل نقوی	لکھنؤ، انڈیا

مرثیہ

جب سید مظلوم کا سر ہو رنگین

بند ۲۷

[illegible]

یہ کیا ہوا خوش اسرار عالیا!
روئی ہائے دیکھ کر غم آرا
لشکر میں ہوا شور و تو اغنا
اے مومنہ ذرا کیا ہے تقدیر
بیتاب ہوئی فیضہ سے باہر نکل آئی
ہاتھوں پہ لیے پانی کا کاسہ نکل آئی

جب حد سے سوا شہ پہ ہوئی ابتلا
تب ایک بلند نعرہ کیا آپ نے وقت
دیکھا کہ زبان خشک ہے فرمایا مرتضیٰ
اے ظالمو رحم کی قابل مری حالت
راضی ہوں کہ جخر مری گردن پہ پھرا دو
پر ہم خدا تو راپا پانی تو پلا دو

مرثیہ

جب سیر ہوا وہ اکبر سا رہ زمین
وہ زخم کہ جرم کشتہ شاہ زمن ہیں
طاقت نہ رہی فرط الم سے بر تن میں
لکنت ہے زبان خشک ہے کانپے ہیں بدن
ہمت ہے دو مکر بھائی ولا ورد عالم میں
اور ضعف بصر ہے یا علی اکبر کا الم میں

انیس حسن ہلالؔ امروہوی کے

سلام

و

مراثی

سلام

عالم غربت ہے اور شیڑ ہیں
ہر طرف سے ظالموں کے تیر ہیں

بھائی کا سر ہے سناں کی نوک پر
سر کھلے بازار میں ہمشیر ہیں

جو مسیحا ہیں جہاں کے واسطے
ہائے وہ پہنے ہوئے زنجیر ہیں

بھانجے، بیٹے، بھتیجے، مرچکے
نرغۂ اعدا میں اب شبیرؑ ہیں

اب فقط تیروں پہ ہے لاش حسینؑ
جسم میں پیوست اتنے تیر ہیں

ظالمو! ان کے نہ سر سے لو ردا
بنت زہراؑ صاحبِ تطہیر ہیں

کربلا میں جو ہوئیں قربانیاں
خوابِ ابراہیمؑ کی تعبیر ہیں

سلام

شہر خالق اس نے ہم کو ایسا پیغمبرؐ دیا
جس نے اپنے بعد حیدرؑ سا ہمیں رہبر دیا

اے خدا تو نے مجھے بہتر سے بھی بہتر دیا
ساغرِ دل کو مرے عشقِ علیؑ سے بھر دیا

ان کو مجرا دین کی خاطر جنھوں نے سر دیا
ایک دن میں راہِ حق میں اپنا سارا گھر دیا

نیزۂ اہلِ ستم کو تو دلِ اکبر دیا
تیر سہہ شعبہ جو تھا اُس کے لیے اصغر دیا

کربلا آکر سخی ابنِ سخی کے لال نے
دیں بچانے کے لیے قربان سب کچھ کر دیا

تھا جو ہمشکل نبیؐ دینِ نبیؐ کے واسطے
ام لیلیٰ نے وہ اپنا چاند سا دلبر دیا

روزِ محشر دیکھ لینا سب یہ سن لیں کے بدن
ساقیِ کوثر نے مجھ کو ساغرِ کوثر دیا

سلام

مجرئی شیرؑ میں تنہائی ہے
کس مصیبت کی گھڑی یہ آئی ہے

گلستانِ مصطفیٰؐ پر اے فلک
کیوں گھٹا رنج والم کی چھائی ہے

کیوں اسے بے پردگی کی فکر ہو
جس کا اک عباسؑ جیسا بھائی ہے

کوئی یہ پوچھے دلِ شبیرؑ سے
[illegible] کس طرح [illegible] ہے

اے فلک پھٹ کر زمیں پر اب تو گر
بلوے میں اب فاطمہؑ کی جائی ہے

[illegible]
یہ مصیبت بھی فلک نے [illegible] ہے

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

سلام

زمانے بھر میں ایسا حیدرِ صفدر کا اک در ہے
جہاں مفلس بھی آ جائے تو وہ بھی بوذر ہے

جسے رشک و حسد سے دیکھتے والا سکندر ہے
زمانے بھر میں ایسا صرف اک حر کا مقدر ہے

حسینؑ ابنِ علیؑ تنہا ہیں اور فوجِ ستمگر ہے
نہ عباسِ دلاور ہیں، نہ قاسم ہے، نہ اکبر ہے

ہوئی جو کربلا کی دھوپ میں سایہ فگن دیں پر
جنابِ ثانیِ زہراؑ تمہارے سر کی چادر ہے

غضب ہے ایڑیاں جلتی زمیں پر وہ رگڑتا ہے
کہ جو ہے چاند جیسا اور ہمشکلِ پیمبرؐ ہے

زمیں پر ٹوٹ کر اے آسماں تو گر پڑا ہوتا
[illegible]

[illegible]

سلام

مجرئ مقتل میں تنہا حضرت شبیرؑ ہیں
در پہ خیمے کے پریشاں زینبِ دلگیرؑ ہیں

یہ نبیؐ کی جان ہیں اور بولتا قرآن ہیں
سجدہ خالق میں جو اس دم تہہِ شمشیر ہیں

زانوئے شبیرؑ بھی رومال زہراؑ بھی ملا
کربلا میں حُر فقط وہ صاحبِ تقدیر ہیں

جن کا سینہ تم نے اک برچھی سے چھلنی کر دیا
اے لعینو! یہ رسولؐ اللہ کی تصویر ہیں

اشک آنکھوں کو تو میداں سے شہ دیں لے گئے
اپنے ہاتھوں پر سے اب اشکِ شبیرؑ ہیں

دینِ حق خاطر کے پنجے سے چھڑانے کے لیے
سید سجادؑ بھی پہنے ہوئے زنجیر ہیں

یہ سلامِ مرثیہ جتنے بھی ہیں میرے ہاں
زندگی بھر کی مری سب سے بڑی جاگیر ہیں

مرثیہ

1

جس دم ادا نماز سحر کی امام نے
تاج نبیؐ سے زینت سر کی امام نے
زیب کمر حسام پدر کی امام نے
مرنے پہ چست اپنی کمر کی امام نے
رخصت طلب کی خواہر ناشاد کام سے
صحرا کے وہ پٹ گئی پائے امام سے

۲

کہتی تھی صدقے آپ کے خواہر، نہ جائیے
مر جاؤں گی تڑپ کے برادر، نہ جائیے
بیکس بہن کو چھوڑ کے باہر، نہ جائیے
بہر خدا برائے پیمبرؐ، نہ جائیے
[illegible] جو کوچ کی اپنے سناتے ہو
[illegible] سے پہ چھوڑے جاتے ہو

۳

شبہ کہتے تھے کہ صبر کرو صبر، اے بہن
ہوگا وہی جو چاہے گا معبودِ ذوالمنن
ہم قتل ہوں گے اور حرم قیدی رسن
کہتی تھی وہ، غضب ہے یہ رنج اور یہ محن
افسوس آپ منع کریں میں بکا کروں
قابو میں دل نہیں مرا، بھائی میں کیا کروں

۴

بھولی ہوئی تھی سب امم و صدمہ و محن
جب دیکھتی تھی آپ کی صورت یہ خستہ تن
کہتی تھی میں جہاں میں سدمت ہیں پنجتن
کیوں بھائی کس کی آس پہ بیٹھے گی اب بہن
میں عرض صاف کرتی ہوں ہاتھوں کو جوڑ کر
جاتے ہیں آپ کس پہ بھرے گھر کو چھوڑ کر

۵

مجھ سے یہ صبر ہوگا نہ بھیا، بہن نثار
دل ذکر سن کے ہوتا ہے سینے میں بیقرار
رخصت دوں آپ کو یہ نہیں ہوگا زینہار
باہر قدم رکھ تو جینے کی نہ سوگوار
یہ غم نہ اے امام زمن دے کے جایئے
مرلوں تو مجھ کو غسل وکفن دے کے جایئے

۶

پھر بولی دیکھ کر سوئے یثرب وہ نوحہ گر
اے اماں تم حسین کی لیتی نہیں خبر
لٹتا ہے آج دشت بلا میں ہمارا گھر
ہے بے تمہارے لال کا دنیا سے ہے سفر
تربت سے آکے حق کے فدائی کو روک لو
قربان ہوں گی تم مرے بھائی کو روک لو

۵

مجھ سے یہ صبر ہوگا نہ بھیا، بہن نثار
دل ذکر سن کے ہوتا ہے سینے میں بیقرار
رخصت دوں آپ کو یہ نہیں ہوگا زینہار
باہر قدم رکھا تو جئے گی نہ سوگوار
یہ غم نہ اے امام زمن دے کے جایئے
مرلوں تو مجھ کو غسل وکفن دے کے جایئے

۶

پھر بولی دیکھ کر سوئے یثرب وہ نوحہ گر
اے اماں تم حسین کی لیتی نہیں خبر
لٹتا ہے آج دشت بلا میں ہمارا گھر
ہے ہے تمہارے لال کا دنیا سے ہے سفر
تربت سے آکے حق کے فدائی کو روک لو
قربان ہوں گی تم مرے بھائی کو روک لو

۷

مرتا ہے ابن شیر الٰہی، میں کیا کروں
دنیا سے بھائی ہوتا ہے راہی میں کیا کروں
لٹتی ہے آج مسند شاہی میں کیا کروں
بستی پرائی اور یہ تباہی میں کیا کروں
کس کس کو ہائے میں دم غارت چھپاؤں گی
رانڈوں کا قافلہ یہ کدھر لے کے جاؤں گی

۸

بیٹھوں کہاں، جو فوجِ ستم لوٹنے کو آئے
اتنا تو ہوئے کوئی جو کہنہ ردا بچائے
الٹے مرے نصیب بڑھاپے میں ہائے ہائے
اماں کو آج ڈھونڈ کے زینبؑ کہاں سے لائے
اماں جو کہہ گئی ہیں اسے یاد کیجئے
کچھ تو بہن کے باب میں ارشاد کیجئے

۹

شہ بولے اے اسیرِ محن، صبر چاہئے
جب ذبح ہو یہ تشنہ دہن، صبر چاہئے
بھائی کو رونے والی بہن، چاہئے
جس دم بندھے گلے میں رسن، چاہئے
شے ابھی تو لے کئی بار آئیں گے
رو پیچو وقت عصر جو مرنے کو جائیں گے

۱۰

چیخو نہ سر کو، بہر رسولِ زمن بہن
عاشق بہن، غریب بہن، کم سخن، بہن
غربت زدہ بہن، میری تشنہ دہن بہن
صدقے میں تیرے، حامل رنج و محن بہن
تم سوں دل کو تم تو ٹھہر جائے گا حسین
ہم کی سر پہ لے تو مر جائے گا حسین

۱

زینبؑ تمہارے بعد خدا ہے نگہباں
وہ کچھ جو کہہ گئیں زہراؑ تمہاری ماں
کہہ دیجیو غش سے چونکے جو سجادؑ ناتواں
یہ گھر ترے سپرد ہے اب اے پدر کی جاں
تم ہو امامِ وقت یتیموں کو پالنا
اب ہم تو مرنے جاتے ہیں تم گھر سنبھالنا

۱۲

کہتے تھے یہ بہن سے ابھی شاہ نیک نام
جو رن میں آئی بہر دعا فوج روم و شام
تیار اس طرف تھے جوانانِ تشنہ کام
لے لے کے اذنِ جنگ گئے اور ہوئے تمام
خنجر سے ذبحِ لختِ دلِ فاطمہؑ ہوا
جس جا تھی قتل گاہ وہیں خاتمہ ہوا

۱۳

اس وقت پہنچی زینبؑ ناشاد و نوحہ گر
جب شمر ہاتھ میں لئے جاتا تھا شہ کا سر
بکھری ہوئی تھیں چہرہ پہ زلفیں ادھر اُدھر
رخسار دونوں زرد تھے اور لب تھے خوں میں تر
تھی خاک سے اٹی ہوئی صورت حسینؑ کی
آنکھیں کھلی تھیں فاطمہؑ کے نورِ عین کی

۱۴

قرآن پڑھ رہا تھا سرِ ابنِ بوترابؑ
اور ریش میں کھلا ہوا تھا جا بجا خضاب
روشن تھا بعدِ قتل بھی رخ مثلِ آفتاب
ظاہر تھا یہ ہوں سے کہ پایا نہیں ہے آب
آنکھوں سے یہ عیاں تھا کہ دنیا سے جاتے ہیں
ثابت یہ خشک ہونٹوں سے تھا مسکراتے ہیں

۱۵

چلائی سر کو پیٹ کے زینبؑ جگر فگار
ہے ہے شہید ہو گیا ماں کا یادگار
سید تری کھلی ہوئی آنکھوں کے میں نثار
بھیا بہن کے آنے کا تم کو تھا انتظار
شاید ابھی چلی ہے چھری حلقِ پاک پر
تازہ لہو رگوں سے ٹپکتا ہے خاک پر

۱۶

کیا چپکے چپکے جان دی یہ شاہِ دیں پناہ
سر تن سے کٹ گیا نہ پکارا بہن کو آہ
آئی صدا کہ بات کی مہلت ملی نہ آہ
زینبؑ ہمارے حال کی ہیں فاطمہؑ گواہ
خنجر گلے پہ سینہ پہ قاتل سوار تھا
اس جبر میں بہن مرا کیا اختیار تھا

۱۷

قاتل بڑھا جو لیکے سر سرورِ زمن
کس یاس سے کہا کہ خدا حافظ اے بہن
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو دوڑی وہ بے وطن
آئی صدائے دختر محبوب ذوالمنن
بیٹی ترے شہید برادر کے ساتھ ہوں
تو جا کے ڈھونڈ نعش کو میں سر کے ساتھ ہوں

۱۸

چلائی وہ کہ لاشۂ عریاں ہے کس طرف
ہے ہے تن امامِ غریباں ہے کس طرف
اے حائرو وہ فخرِ سیماں ہے کس طرف
اے دشتِ کربلا ترا مہماں ہے کس طرف
زہرا کی عمر بھر کی کمائی کو کیا کیا
بتلاؤ اے زمیں مرے بھائی کو کیا کیا

۱۹

ہے کس مقام پر مرے بھائی کی قتل گاہ
اے خاک کس نشیب میں ہے فاطمہؑ کا ماہ
اے ارضِ نینوا مجھے ملتی نہیں ہے راہ
اے آسماں یہ کیا ہے کہ دن ہوگیا سیاہ
اے شامِ غم وہ گیسوؤں والا کدھر گیا
اے آفتاب تیرا اجالا کدھر گیا

۲۰

یہ کہتی تھی کہ ناشۂ بے سر نظر پڑا
بس دوڑ کر لپٹ گئی وہ غم کی مبتلا
چلائی ہائے بھائی یہ کیسا ستم ہوا
آئی صدا یہ لاش سے، جو مرضی خدا
کچھ غم نہیں جو ذبح میں ناکام ہوگیا
امت کی مغفرت کا سرانجام ہوگیا

مرثیہ

1

دیکھ کر چاند محرم کا نمایاں زینب
شاہ گھبرا گئے ایسے ہوئی گریاں زینب
یہ دعا کرنے لگی با سر عریاں زینب
یا الٰہی نہ ہو غربت میں پریشاں زینب
رہے قائم مری اماں کی کمائی مولا
خیر سے جائے وطن کو مرا بھائی مولا

۲

میرے بھائی کو کبھی ہو نہ کوئی رنج و محن
بچے جیتے رہیں سرسبز رہے یہ گلشن
لے کے سب کنبہ کو ہمراہ چلیں سوئے وطن
شاد و آباد ہمیشہ رہیں سلطان زمن
شہ ہو خلق میں شبیر کی یکتائی کا
نام قائم رہے دنیا میں مرے بھائی کا

۳

دھوم سے ہو مرے ہمشکل نبی کی شادی
گھر کی بانو کے بہو پوتے سے ہو آبادی
رہے دنیا میں سہاگن بھی شہزادی
کبھی گلزار میں زہرا کے نہ ہو بربادی
رونق دہر میں میرے نہ کسی کا ہوئے
میرے بھائی کا کبھی بال نہ بیکا ہوئے

۴

میری صغرا جو ہے بیمار شفا دے اس کو
اس کے ماں باپ سے توحید ملا دے اس کو
صورتِ اکبرِ گلفام دکھا دے اس کو
خبرِ واپسیِ شاہ سنا دے اس کو
خلل ہو یثرب میں شہ بدر و حنین آتے ہیں
مبارک ہو مبارک ہو حسین آتے ہیں

۵

اس طرف تو یہ دعا کرتی تھی بنت حیدر
اس طرف دیکھتے تھے چند شہ جن و بشر
التجا کرتے تھے اللہ سے یہ رو رو کر
راہ میں تیری شہادت ہو مری اے داور
وہ زہرا کو یہ چند ایسا مبارک ہووے
گھر سے نکلے ہو بدن تیغ بہ تارک ہووے

۶

ہو گئی کر ترے دربار میں حاضر ہو غلام
گو میں اشہ معصوم بدن زخمی تمام
میں تو حاضر ترے دربار میں ہوں بہر سلام
ورمرے اہل حرم قید ہوں چل جائیں خیام
بدے پانی سے مجھے خنجر بے آب سے
خلق میں شاہ شہیداں مجھے القاب سے

۷

حشر تک دھوم رہے خلق میں مظلومی کی
سب قسم کھائیں مری رنجش و مغمومی کی
یعنی شبیرؑ سے وہ شامیوں نے شوخی کی
آل تک کٹ گئی اس خاصہ قیومی کی
سارے گھر بار کو برباد کیا اعدا نے
اس کے بچوں کو بھی پانی نہ دیا اعدا نے

۸

راہ میں تیری مجھے سہل ہیں سب رنج و محن
سرفرازی ہے جو خنجر سے کٹے گی گردن
حشر تک سب کی زبانوں پہ رہے گا یہ سخن
صف شبیرؑ میں تھا اپنے بزرگوں کا چلن
صابر ایسا ہو جو پیاسا ہو تو ایسا ہووے
ایسے نانا کا نواسا ہو تو ایسا ہووے

۹

جب مرے سینۂ زخمی پہ چڑھے شمر شریر
اس گھڑی میری مدد کیجیو اے رب قدیر
ہے ترے لطف و عنایات کا طالب شبیرؑ
صبر اور شکر سے گزرے وہ مرا وقت اخیر
جسد عریاں پہ رواں خنجر بُرّاں ہووے
مشکل ذبح بھی شبیرؑ پہ آساں ہووے

۱۰

حلق پر تیغ ہو اور سینہ پہ ہووے جلاد
ہے یہ امید کہ اس دم بھی یونہیں ہو تری یاد
نہ غم اہل حرم ہو نہ خیال اولاد
کان تک میری صدا نہ گئے نہ پہنچے فریاد
سینہ نیزے کا نہ نیزے کا نہ شمشیر کا ہو
نہ تمنیں کا تسبیح کا تکبیر کا ہو

۱۱

نکلیں سیدانیاں خیمے سے جو کھولے ہوئے سر
سر اٹھا کر تہہ سجدہ سے نہ دیکھوں میں ادھر
کوئی لڑکی جو کہے ہائے پدر ہائے پدر
محو ایسا ہوں کہ مطلق نہ مجھے ہووے خبر
قید اعدا میں یداللہ کی جائی ہووے
میرے مولا مگر امت کی رہائی ہووے

۱۲

کن کے یہ روتے گئے شہ کے رفیق دیدہ ور
ہو ترے پنجتن کی محمل میں علی کی دختر
روئے بولی تری مظلومی کے صدقے خواہر
سر سینہ پہ لئیں دشمنوں کے تیر ستم
رتبے سب تم کو دے حق نے یہ یہ مانگتی ہو
یہ برس دان سے برس دان یہ دعا مانگتی ہو

۱۳

صدقے خواہر ہو یہ کیا کرتے ہو رویت کی دعا
ہاں مناسب ہے کرو بخشش امت کی دعا
نہ دعا چین کی ہے اور نہ راحت کی دعا
آپ فرماتے ہیں اس وقت شہادت کی دعا
کسی غم میں نہ بہن مضطرب الحال رہے
خلق میں آپ کا سایہ صد و سی سال رہے

۱۴

شہ نے فرمایا نہ مضطر ہو بہت اے شمشیر
ہجر میں بھائی کے دے صبر تمہیں رب قدیر
کبھی ملتا نہیں تقدیر میں جو ہو تحریر
زور انساں کا ہے یا موت ہو جب دامنگیر
ہے بہن خلق میں اب زیست سے بیزار ہوں میں
سر نہیں جلد اتر سے تو سبکبار ہوں میں

۱۵

اپنے سر کٹنے کا کچھ مجھ کو نہیں رنج و ملال
حرمت عترت اطہر کا صدمہ ہے کمال
مجھ پہ ظاہر ہے کریں گے جو ستم بد افعال
قلب تھراتا ہے آتا ہے جو تم سب کا خیال
پر یہ تسکیں ہے کہ عالم کا مددگار تو ہے
خیر گر کوئی نہیں ایزد غفار تو ہے

۱۶

پیٹ کر سینہ و سر بنت علی چلائی
دل غمگین پہ مرے چل گئی برچھی بھائی
بے چھری مر گئی اس وقت بہن دکھ پائی
یہ ستم دیکھنے کو یاں مجھے قسمت لائی
میں زمانے میں فراق شہ ذی جاہ سہوں
مر نہ نکلے مرا اور یہ غم جانکاہ سہوں

۱۷

تم سے بھائی پہ لعینوں کی جفا دیکھوں میں
خون لختِ جگرِ شیرِ خدا دیکھوں میں
شمر کی تیغ کے نیچے یہ گلا دیکھوں میں
شہ فرزندِ رسولؐ دوسرا دیکھوں میں
دل تڑپتا ہے کلیجہ مرا تھراتا ہے
کیا یہ فرماتے ہو بھیا مجھے غش آتا ہے

۱۸

اس طرح مضطر و نالاں جو ہوئی زینب زار
بولے سر چھاتی سے لپٹا کے امامِ ابرار
مضطرب ہو نہ بہن تم پہ یہ بھائی ہو نثار
صبر کا اجر ہے خوشنودیٔ ربِّ غفار
ہونی بیٹے کا نہیں خلق میں جو آیا ہے
جس کے ہم عہد ہیں اس نے ہمیں بلوایا ہے

۱۹

جب کہ ہمشیر سے فرماتے تھے یہ شہ امم
حشر تھا محملوں میں روتے تھے سب اہل حرم
یہی ہر ایک کی خالق سے دعا تھی اس دم
یا الٰہی رہے سردار ہمارا قائم
پڑ گئے جان کے اس کی ہمیں لالے یا رب
ابن زہراؑ ہے بس اب تیرے حوالے یارب

۲۰

وطن آوارہ ہے سید ہے مسافر ہے یہ
مرقد احمدؐ و زہراؑ کا مجاور ہے یہ
ہر جفا و ستم و ظلم پہ شاکر ہے یہ
بیکس و مضطر و بے یاور و ناصر ہے یہ
یہی کہہ کہہ کے ادھر اہل حرم روتے تھے
اس طرف شاہ بھی گردن کئے خم روتے تھے

۲۱

اے ہلالؔ اب ہوا مجلس میں بپا اک کہرام
جوشِ گریہ سے تجھے بھی نہیں یارائے کلام
روک لے تو بھی بس اب توسنِ خامہ کی لگام
کردے حق سے کہ برآئیں مرے جتنے ہیں کام

سخنِ حق یہ اسی احقرِ ناشاد کا ہے
مرثیہ میرا ہے مطلع کسی استاد کا ہے

مرثیہ

۱

جب پیاس کی شدت ہوئی بیحد شہِ دیں پر
سنبھل نہ گیا ضعف سے پھر خانۂ زیں پر
بے ساختہ گھوڑے سے گرے آپ زمیں پر
فریاد کا اک شور ہوا عرش بریں پر
بہتے تھے ملائک یہی افلاک کے اوپر
کیا قہر ہے خورشید گرا خاک کے اوپر

۲

پھر اٹھے زمیں سے شہ ذی جاہ بدقت
اور ایک بلندی پہ گئے با غم و حسرت
دہلا کے زباں خشک یہ فرمایا بہ منت
اے ظالمو ہے رحم کے قابل مری حالت
راضی ہوں کہ خنجر مری گردن پہ پھرا دو
پر بہر خدا تھوڑا سا پانی تو پلا دو

۳

دیکھو میں تمہارے ہی نبی کا ہوں نواسہ
اور آج ہوں میں تین شب و روز سے پیاسا
کیا تم میں نہیں کوئی پیمبرؐ کا شناسا
جو آن کے دے مجھ کو تسلی و دلاسہ
ہے کوئی جو پانی مجھے اک جام پلا دے
تا حشر کے دن اس کی جزا اس کو خدا دے

۴

اے ظالمو شبیرؑ ہے مہمان تمہارا
اب رحم کرو رحم کرو مجھ پہ خدا را
تم نے مرے انصار کو کس ظلم سے مارا
اب کوئی زمانے میں نہیں میرا سہارا
کیوں درپئے آزار مرے ہوتے ہو یارو
دنیا کی خوشی دین کو کیوں کھوتے ہو یارو

۵

ہر چند ستمگاروں کو سمجھاتے تھے مولا
جز تیر جواب ور نہ کچھ پاتے تھے مولا
بے چین تھے بیتاب تھے گھبراتے تھے مولا!
پھر رو کے لعینوں سے یہ فرماتے تھے مولا
حالت پہ مری چھوڑ دو مجھ تشنہ دہن کو
گر رائے تمہاری ہو تو پھر جاؤں وطن کو

۶

تم نے مجھے خط بھیج کے تھا گھر سے بلایا
میں اپنا وطن چھوڑ کے یوں خود نہیں آیا
یاں آ کے بہت رنج و الم میں نے اٹھایا
تم نے مجھے بے جرم و خطا آہ ستایا
افسوس ہے تم سب میں شقاوت نظر آئی
دعوت کی عوض اور عداوت نظر آئی

۷

حضرت کی نہیں بھولتی وہ تشنہ دہانی
رو رو کے طلب کرتے تھے ایک ایک سے پانی
پر کیسے ستمگار تھے وہ ظلم کے بانی
اک بات پیمبر کے نواسے کی نہ مانی
کہتے تھے کہ اک قطرہ بھی پانی کا نہ دیں گے
ہم آپ کو پیاسا ہی ابھی قتل کریں گے

۸

یہ سنتے ہی بے آس ہوئے سید ذی جاہ
فرمایا کہ افسوس ہے اے فرقہ گمراہ
کہنے کا مرے کچھ نہ اثر تم پہ ہوا آہ
اب حشر میں تم اس کی سزا پاؤ گے واللہ
اللہ سے اس دن میں طلب داد کروں گا
اس پیاس کی اس بھوک کی فریاد کروں گا

۹

یہ کہہ کے چلے جانب خیمہ شہ والا
تھا پیاس کی شدت سے کلیجہ تہ و بالا
سنبھلا نہ گیا آپ کو ہر چند سنبھالا
بے ساختہ نکلا دہن خشک سے نالا
پہنچی جو صدا بھائی کی گھبرا گئیں زینب
فوراً در خیمہ کے قریب آگئیں زینب

۱۰

قصد ہوئے داخل خیمہ شہ عالم
بھائی سے گلے ملنے لگیں زینب پر غم
فرمانے لگے سید ذی جاہ یہ اس دم
رخصت دو کہ رخصت کیلئے آئے ہیں اب ہم
حالت ہے جو اب دل کی دکھائی نہیں جاتی
اب پیاس کی تکلیف اٹھائی نہیں جاتی

۱۱

تھی آٹھویں تاریخ محرم کی ہے لکھا
اک قافلہ اس دشت میں جو آن کے ٹھہرا
عاشور کے دن بعد زوال آن کے اس جا
اس قافلہ والوں کو کسی نے یہ سنایا
اک فوج نے کچھ لوگوں کو یاں قتل کیا ہے
اور لاشوں کو بے دفن و کفن چھوڑ دیا ہے

۱۲

پر ایک سوار آہ جو زخمی ہے سراپا
زخم میں ستمگاروں کے ہے یکہ و تنہا
وہ سوکھی زباں پھیر کے ہونٹوں پہ ہے کہتا
اے خالق و پانی دو میں شدت سے ہوں پیاسا
بے مونس و یاور ہوں گرفتار محن ہوں
مظلوم ہوں، بیکس ہوں اور آوارہ وطن ہوں

۱۳

اس فوج ستمگار میں اتنا نہیں کوئی
جو آن کے اس شخص کو دے تھوڑا سا پانی
پانی کی عوض تیر وہ برساتے ہیں ناری
میں کیا کہوں اس شخص کی وہ گریہ وزاری
مظلوم ہے اور سخت مصیبت میں گھرا ہے
اور پانی ہے اک شخص سے وہ مانگ رہا ہے

۱۴

اب آگے ہے اس طرح سے مضمون روایت
اک مومنہ جس کی تھی مدینہ میں سکونت
اس قافلہ کے ساتھ تھی وہ صاحب ہمت
بیتاب ہوئے سن کے یہ پُر درد حکایت
دیندار تھی عاشق تھی امام دوسرا کی
ہمنام تھی وہ بنت بتول زہرا کی

۱۵

میں زینب و کلثوم جو بنت اسداللہ
کھیلی تھی بچپن میں وہ ان دونوں کے ہمراہ
تھی شام میں مدت سے مقید وہ گرامی
ان روزوں رہا ہو کے وہ آئی تھی اسی راہ
کچھ بیٹے کی خبر تھی نہ گرفتار محسن کو
جاتی تھی اسی قافلہ کے ساتھ وطن کو

۱۶

افسوس تھی اس مومنہ کے دل میں یہ حسرت
اب جا کے وطن دیکھوں گی آج کی میں صورت
روضہ کی پیمبرؐ کے بھی ہوئے گی زیارت
دیکھوں گی میں اب مرقد خاتون قیامت
میں حضرت شبیرؑ کے قدموں پہ مروں گی
اور زینب و کلثوم کے بھی گرد پھروں گی

۱۷

معلوم نہ تھا یہ کہ مدینہ ہوا ویراں
ہمشکل پیمبرؐ بھی ہوا خاک میں پنہاں
میں چھوٹ کے جاتی ہوں وطن بادل شاداں
اور زینب وکلثوم کی ہے قید کا ساماں
مشتاق زیارت ہوں حسینؑ ابن علیؑ کی
یاں جان ہے آفت میں پڑی سبط نبیؐ کی

۱۸

القصہ وہ ہاتھوں پہ لئے پانی کا ساغر
روتی ہوئی صحرا کو چلی بادل مضطر
اس وقت میں پہنچی وہ حضور شہ صفدر
جب خیمہ اقدس سے نکلتا تھا وہ سرور
درپیش شہادت تھی شہنشاہ امم کو
اور آخری رخصت کئے آتے تھے حرم کو

۱۹

دیکھی در خیمہ پہ قیامت کا یہ ساماں
چھ عورتیں چھ بچے ہیں باحال پریشاں
جب شہ بڑھتے ہیں قدم جانب میداں
تب بیبیاں ہاتھوں سے پکڑ لیتی ہیں داماں
اور شہ کے قدموں سے لپٹ جاتے ہیں بچے
روتے ہوئے خیمہ سے نکل آتے ہیں بچے

۲۰

فرماتے ہیں شہ صبر کرو صبر خدا را
گھبراؤ نہ خالق ہے نگہبان تمہارا
للہ کی مرضی میں کسی کا نہیں چارا
تم سب کرو اب ہجر ہمارا بھی گوارا
ہم کیا کریں، بس اس میں ہمارا نہیں کوئی
جب سر پہ قضا آئی تو چارا نہیں کوئی

۲۱

اے بی بی یہ میری سکینہ جو ہے پیاری
میں دیتا ہوں اب اس کو حفاظت میں تمہاری
ماریں گے مرے بعد طمانچے اسے ناری
اس وقت کرے گی یہ بہت گریہ وزاری
لازم ہے کہ سینہ سے لگا لیجیو اس کو
اعدا کے طمانچوں سے بچا لیجیو اس کو

۲۲

جاتی ہی نہیں دل سے مرے چاہ تمہاری
ہے شاق جدائی مجھے واللہ تمہاری
کرتی ہے کلیجہ مرا شق آہ تمہاری
ہر حال میں لے گا خبر اللہ تمہاری
لو جاتے ہیں بس اب تمہیں اللہ کو سونپا
گنج فاطمہ زہرا کا یداللہ کو سونپا

۲۳

یہ کہہ کے چلا پھر سداللہ کا جانی
وہ مومنہ کہنے لگی حاضر ہے یہ پانی
پی لیجئے اس کو کہ بجھے تشنہ دہانی
حضرت نے یہ فرمایا بصد اشک فشانی
خیمے سے ہے اجل دیر مرے مرنے میں کیا ہے
دنیا سے چلا جاؤں میں پیاسا تو بجا ہے

۲۴

خیمہ میں ہے پر ایک مری خواہر مضطر
اس پانی کو تو اس کو پلا دے وہاں جا کر
کر میں کے اسے قید مرے بعد ستمگر
پھر ہوگا نہ پانی اسے جی بھر کے میسر
وہ بولی کہ پیاس اپنی بجھا لیجئے حضرت
چپکوں میں گھر اپنے یہ دعا کیجئے حضرت

۲۵

اور جن کی زیارت کی میں رکھتی ہوں تمنا
ان لوگوں کو دکھلائے مجھے خالق یکتا
برسوں سے ہوں آوارہ وطن اے مرے آقا
ان آنکھوں سے دیکھوں میں گھر اپنا وطن اپنا
فرمایا شہ دیں نے کہ گھر تیرا کہاں ہے
کی عرض کہ لونڈی کا مدینہ میں مکاں ہے

۲۶

سن کر یہ سخن رونے لگے سید ذی جاہ
فرمایا کہ ہم سے بھی وطن چھوٹ گیا آہ
اس بے کسی و یاس میں گزرے ہیں شب و روز
گھر اپنا بہت ہم کو بھی یاد آتا ہے واللہ
کہہ جلد جدائی یہ تجھے شوق ہے کس کی
تمہارے مدینہ میں تو مشتاق ہے کس کی

۲۷

یاں پر تو مرے حال کا پرساں نہیں کوئی
تو کون ہے جو میرے لئے لائی ہے پانی
وہ بولی میں کیا عرض کروں اے شہ عالی
اک قافلہ کے ساتھ یہاں آئی ہے لونڈی
گھر چھٹنے کے باعث سے تڑپتی مری جاں ہے
میرا بنی ہاشم کے محلہ میں مکاں ہے

۲۸

اور زینب خاتون جو ہے دختر زہرا
کیسی ہوں نہ کیوں میں ساتھ اس کے ہمیشہ
جو نام ہے بی بی کا وہی نام ہے میرا
دنیا میں رکھے شاد اسے خالق یکتا
بے چین ہوں اس سے مجھے اللہ ملا دے
زینب کا مجھے چہرہ پرنور دکھا دے

۲۹

آقا ہے مرا احمدؐ و حیدرؑ کی نشانی
شبیرؑ ہے نام اور ہے زہراؑ کا وہ جانی
دنیا میں کوئی اب نہیں اس شاہ کا ثانی
دن رات اسی کی مجھے رہتی ہے کہانی
ہوں جلد قدموں میں اس حق کے دل کی
بے چین ہوں فرقت سے حسین ابن علی کی

۳۰

اس وقت مگر اس کی بڑی ہے مجھے حیرت
آقا سے مرے آپ مشابہ ہیں نہایت
ہے فرق بس اتنا کہ جواں ہیں مرے حضرت
اور آپ کی اس وقت ضعیفی کی ہے حالت
ہے پشت بھی خم آپ کی اور زرد جبیں ہے
لیکن لب و چہرہ میں تو کچھ فرق نہیں ہے

۳۱

معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس دم مرے آقا
گھوڑے پہ ہیں اسوار مرے سامنے گویا
یہ دشت کہاں اور کجا سیدوالا
اللہ رکھے ان کو مدینہ میں ہمیشا
آرام سے یثرب میں وہ شاہ دوجہاں ہو
خالق کرے ہرگز نہ تیج میرا گماں ہو

۳۲

یہ سنتے ہی شہ کو نہ رہا ضبط کا یارا
رونے لگے اور زینب بیکس کو پکارا
بھائی کی صدا کان میں پہنچی جو قضارا
فوراً درِ خیمہ پہ چلی آئیں دوبارا
کہنے لگیں اے بھائی کہو جلد کہ کیا ہے
کس واسطے ہمشیر کو اب یاد کیا ہے

۳۳

بولے شہ ذی جاہ کہ اے غم کی ستائی
پانی کے پلانے کو طلب کرتا ہے بھائی
کہ عرض کہ حضرت نے بھی پیاس اپنی بجھائی
فرمانے لگے رو کے شہ کرب و بلائی
تم پی لو، لب اپنے، میں کبھی تر نہ کروں گا
اے خواہر ناشاد میں پیاسا ہی مروں گا

۳۴

ہمشیر یہ پانی مجھے کیونکر ہو گوارا
جس کے لئے عباسؑ سا بھائی گیا مارا
اکبرؑ سا پیاسا ہی زمانے سے سدھارا
اور تشنہ دہن مر گیا اصغرؑ سا پیارا
ہے خاک مرے جینے پہ بعد ان کے جیوں میں
مر جائیں یہ سب تشنہ لب و پانی پیوں میں

۳۵

وہ مومنہ پہلے ہی سے تھے سخت پریشاں
باتیں جو سنیں یہ تو ہوئی اور بھی حیراں
دیکھا جو اسے زینب دلگیر نے اس آں
دل میں کہا یہ کون ہے اس طرح سے گریاں
آنکھوں سے رواں متصل اشکوں کی لڑی ہے
اور ہاتھ میں کوزہ لئے پانی کا کھڑی ہے

۳۶

کہنے لگیں تو کون ہے اے خاصہ باری
رہتی ہے کہاں اشک ہیں کیوں آنکھوں سے جاری
وہ مومنہ اس وقت یہ رو رو کے پکاری
رونے کا سبب کیا کہوں میں درد کی ماری
حیران ہوں، مضطر ہوں، بڑی فکر میں جاں ہے
اے بی بی مرا شہر مدینہ میں مکاں ہے

۳۷

پر اپنا وطن مجھ کو بس اب جلد بتاؤ
للہ نہ لونڈی سے اب احوال چھپاؤ
دھوکہ مجھے ہوتا ہے مرا دل نہ دکھاؤ
تم کون ہو کچھ اپنی حکایت تو سناؤ
طرز آپ کا اب ہوش مرے کھوتا ہے بی بی
تم پر مجھے زینب کا گماں ہوتا ہے بی بی

۳۸

یہ سنتے ہی شہ کو نہ رہا ضبط پہ قابو
سر پیٹ لیا آنکھوں سے جاری ہوئے آنسو
اور تھام کے پھر خواہر ناشاد کا بازو
فرمانے لگے اس سے یہ شہنشہ خوشخو
اے مومنہ زینب یہی آوارہ وطن ہے
شبیر ہوں میں اور یہی میری بہن ہے

۳۹

یاں آن کے اس طرح پھرا ہم سے زمانہ
پانی نہ میسر ہے نہ امکان میں کھانا
رکھتا ہے روا ہم کو ہر اک شخص ستانا
امت نے نواسا بھی پیمبر کا نہ جانا
ہم کون ہیں، افسوس، نہیں جانتے ہم کو
اب دوست بھی اپنے نہیں پہچانتے ہم کو

۴۰

یہ کہنے لگی شاہ سے وہ خاصہ باری
پھٹتا ہے جگر اب نہ کرو گریہ و زاری
ماں باپ مرے تم پہ فدا اور میں واری
آقا کہوں کیا ہوگیا حالت کو تمہاری
یاں آن کے میں کشتۂ غم ہوگئی آقا
کیا ہوگیا جو پشت بھی خم ہوگئی آقا

۴۱

رو کر کہا اس سے یہ شہنشاہ امم نے
اے مومنہ توڑی کمر عباسؑ کے غم نے
دل توڑ دیا اکبر مہرو کے الم نے
کمزور کیا آہ لعینوں کے ستم نے
جی سے علی اصغر کو گزرتے ہوئے دیکھا
اور قاسم ناشاد کو مرتے ہوئے دیکھا

۴۲

کیا پوچھتی ہے تو مرے اس ضعف کی حالت
میں کیا کہوں جو آج پڑی مجھ پہ مصیبت
انصار کے مرجانے سے جاتی رہی قوت
لاشوں کے اٹھانے سے گئی جسم کی طاقت
حالت ہے جواب دل کی دکھائی نہیں جاتی
اب ضعف کی تکلیف اٹھائی نہیں جاتی

۴۳

سن کر یہ سخن شاہ سے وہ خاصہ داور
بے ساختہ غش کھا کے گری خاک کے اوپر
اس حال پہ سب بیبیوں نے پیٹ لئے سر
گویا ہوا اس وقت بپا عرصہ محشر
حال حرم شاہ ہلاں اب نہ بیاں کر
کافی ہوا جس کا معاں اب نہ بیاں کر

مرثیہ

۱

جب سید مظلوم اکیلے رہے رن میں
وہ زخم لگے جسم شہنشاہِ زمن میں
طاقت نہ رہی فرق جراحت سے بدن میں
کنت تھی زباں خشک تھی، کانٹے تھے دہن میں
تھا درد کمر بھائی دلاور کے الم میں
اور ضعف بصر تھا علی اکبر کے الم میں

۲

جب حد سے سوا شہ پہ ہوئی پیاس کی شدت
تب ایک بندگی پہ گئے آپ بہ وقت
دکھ کے زباں خشک یہ فرمایا یہ منت
اے ظالمو تم کے قابل مری حالت
راضی ہوں کہ خنجر مری گردن پہ چلا دو
پر بہر خدا تھوڑا سا پانی تو پلا دو

۳

یہ کہہ کے ہوا غش اسداللہ کا پیارا
رونے لگی یہ دیکھ کے فوج ستم آرا
لشکر میں ہوا شور جو رونے کا قضارا
اک مومنہ نے درّے کیا سب یہ نظارا
بیتاب ہوئی خیمہ سے باہر نکل آئی
ہاتھوں پہ لئے پانی کا ساغر نکل آئی

۴

خود رفتہ تھی گو خوف خدا سے وہ دل افگار
لیکن کبھی مردوں میں نہ نکلی تھی وہ زنہار
تھی فرق عرق شرم سے ہلتا تھا تن زار
ساغر سے پہ آئی حضور شہ ابرار
دیکھیں کہ ہیں تیغ کلیجہ میں کہ سے ہیں
ہونٹوں پہ زباں تھی سے تیوری پہ سے ہیں

۵

رو رو کے جو مولا کو پکاری وہ کئی بار
کچھ غش سے افاقہ ہوا چونکے شہ ابرار
تھی فرقت سبر سے جو بینائی نہ زنہار
سمجھے کہ چلی آئی یہاں زینب ناچار
فرمایا کہ کیوں خیمے میں گھبرا گئیں زینب
میں زندہ ہوں اور ہوے میں تم آگئیں زینب

۶

چادر بھی ہے سر پر کہ نہیں یہ تو کہو آہ
ہم کو تو بہن کچھ نظر آتا نہیں واللہ
ہے جمع مرے گرد میں سب شکر مراد
تم خیمے میں پھر جاؤ پنے روح یداللہ
مر جاؤں تو آ کر تن صد چاک پہ رونا
بی اماں کے پھر بھائی کی تم لاش پہ رونا

۷

کی اس نے گزارش کہ یہ کیا ہوتا ہے ارشاد
میں خادمہ ہوں یاں پہ نہیں خواہر ناشاد
خیمے میں جو لونڈی نے کی آپ کی فریاد
میں سمجھی کہ پیاسا ہے کوئی کشتہ بیداد
مظلوم ہے اور سخت مصیبت میں پڑا ہے
پانی میں پلاؤں کہ ثواب اس میں بڑا ہے

۸

شہ نے کہا تو کون ہے اے عاشق اللہ
تب دست ادب جوڑ کے بولی وہ حق آگاہ
یہ خادمہ اس فوج کے ہمراہ ہے یا شاہ
کہتے مجھے نکلے ہوئے گزرے ہیں کئی ماہ
راحت نہیں جب سے کہ میں بچھڑی ہوں مکاں سے
جب وقت کہ میں بیزار ہوں جاں سے

۹

راحت ہے میسر مجھے افضال خدا سے
سیراب ہوں سرد آب سے اور گرم غذا سے
پر کانپتا ہے قلب غریبوں کی صدا سے
موجود یہ پانی ہے اگر آپ ہیں پیاسے
جی کھول کے پیاس اپنی بجھا جیئے حضرت
پہنچوں میں گھر اپنے یہ دعا جیئے حضرت

۱۰

پوچھا شہ دیں نے کہ گھر تیرا کہاں ہے
کی عرض کہ ونڈی کا مدینہ میں مکاں ہے
جس جا حد حضرت خاتون جناں ہے
دنیا میں وہی جا شرف کون و مکاں ہے
کعبہ سے بھی رتبہ میں فزوں تر وہ زمیں ہے
مولا مرا جس جا ہے وطن میرا وہیں ہے

۱۱

فرمایا کہ بتلا ترے آقا کا ہے کیا نام
کی عرض حسین ابن علی صاحب صمصام
رویا یہ سخن سن کے وہ زہرا کا گل اندام
فرمایا کہ اے عاشق سلطان خوش انجام
پہنچا تجھے شکل ولی ابن ولی کی
خدمت سے مشرف ہے حسین ابن علی کی

۱۲

کی عرض زیارت سے تو اب تک ہوں میں محروم
لیکن مرا ایمان ہے وہ خاصہ قیوم
فرمانے لگے اس سے شہ بیکس و مظلوم
کھرتیا مدینہ میں ہے اے مضطر و مغموم
کیوں تو نہ مشرف ہوئی اس حق کے ولی سے
تھا دور تجھے کیا خانہ زہرا و علی سے

۱۳

اس نے کہا اک شب جو گئی واں یہ دل افگار
پوچھا تو کیا حضرت فضہ نے یہ اظہار
مسجد سے ابھی آئے نہیں سید ابرار
یہ سن کے پھری گھر کو میں اپنے بہ دل زار
مہلت نہ ملی ملنے کی پھر شاہ زمن سے
قسمت نے چھڑایا مجھے افسوس وطن سے

۱۴

مولا نے کہا خیر یہ معلوم ہوا حال
پر مجھ سے تو کہہ اپنے یہاں آنے کا احوال
سن کر یہ سخن رو کے پکاری وہ خوش اقبال
کیا عرض کروں آپ سے اے صاحب اقبال
میں آپ کی فریاد سے گھبرائی تھی آفاق
یاں پانی پلانے کو تمہیں آئی تھی آفاق

۱۹

کی عرض کہ اے قبلہ ارباب سخاوت
موجود ہے سب کچھ کہ خدا کی ہے عنایت
سیم و زر و گوہر کی مجھے کچھ نہیں حاجت
دو میری مرادیں تیں یہ اے صاحب ہمت
پہنچوں میں گھر اپنے ابھی حضرت کی دعا سے
تا زیست سہاگن رہوں اقبال خدا سے

۲۰

شوہر ہے مرا شام کے حاکم کا مددگار
سنتی ہوں کہ سلطانِ عرب ہے کوئی سردار
وہ فوج سے حاکم کی ہے آمادۂ پیکار
اس شیر کی ہیبت سے مرے جاتے ہیں جرار
تیغ اس کی ہے وہ قہر کہ ہستی بھی فنا ہو
اس کی ہے مجھے فکر کہ اب دیکھئے کیا ہو

۲۱

عورت کے لیے قہر ہے دنیا میں رنڈاپہ
فرمایئے اب رحم کرے خالق یکتا
سلطان عرب قتل ہو ہو فتح ہویدا
جاؤں میں سلامت مع شوہر ہوئے بیجا
جا کر میں قدم پر شہ والا کے مروں گی
زینب کے بھی بانو کے بھی میں گرد پھروں گی

۲۲

روئے یہ سخن سن کے شہ بیکس و مضطر
فرمایا رنڈاپے سے تو ہاں موت ہے بہتر
بے قدر وہ عورت ہے جو شوہر نہیں سر پر
پرساں نہیں کوئی کہ لئے یہ پھرے در در
راحت کہاں منہ اشکوں سے دھونا نہیں ملتا
اکثر ہیں وہ رانڈیں جنہیں رونا نہیں ملتا

۲۳

یہ کہہ کے پھرے جانب قبلہ شہ ابرار
کی حق سے دعا ہاتھ اٹھا کر یہ کئی بار
اے قاضی حاجاتِ جہاں مالک و مختار
اے عقدہ کشا، راہ نما، راحم و غفار
دامن کو اب اس کے گل امید سے بھر دے
یا ربّ علی شام کے حاکم کو ظفر دے

۲۴

سلطان عرب قتل ہوا اے مالک تقدیر
اس فتح سے خورسند ہو یہ لشکر بے پیر
سر ننگے پھرے ہوئے میں مقتول کے ہمشیر
بیمار پسر اس کا ہو وابستہ زنجیر
نیزے پہ سر اس شہ کا ستمگار چڑھائیں
نامحرموں کو اس کے سر بازار پھرائیں

۲۵

بچوں کو بھی اس کے نہ امان دیجیو یارب
بندھ جائیں سب اک رسّی میں اس شہِ حرم اب
تاراج ہو گھر زیور و اسباب لٹے سب
صحراؤں میں دن گذرے تو زنداں میں کٹی شب
حالت ہو بری اب ستم و جور سے سب کی
دفنا نہ سکیں لاش بھی سلطانِ عرب کی

۲۶

یہ خالقِ اکبر سے دعا کرتے تھے حضرت
گویا یہ فرشتوں سے ہوا تب لبِ قدرت
جو آگئی بس جوش میں معبود کی رحمت
کیوں دیکھتے ہو تم مرے جانباز کی ہمت
جو حق سخاوت ہے ادا کرتا ہے شبیر
دشمن کو ظفر ہو یہ دعا کرتا ہے شبیر

۲۷

کانپے یہ سخن سن کے ملک بام فلک پر
یاں مومنہ سے رو کے مخاطب ہوئے سرور
مقبول دعا ہوگئی راضی ہوا داور
لے فتح ہوئی شام سے حاکم کی مقرر
ہوگی نہ دغا زور گھٹا عاشق رب کا
اب شمر کلا کاٹے گا سلطان عرب کا

۲۸

پھر اس سے یہ فرمانے لگے سید ذی جاہ
اک خادمہ فاطمہ میرے بھی ہے ہمراہ
کہتی ہے کہ یثرب میں نہیں کل کا شہنشاہ
کوفہ کی طرف آیا ہے ابن اسداللہ
ساتھ اس کے سب اولاد یداللہ و نبیؐ ہے
فضہ بھی ہے بانو بھی ہے اور بنت علیؑ ہے

۲۹

سن کر یہ سخن عرض یہ کی اس نے بمنّت
لے چلئے مجھے واں پئے خاتون قیامت
میں خادمۂ فاطمہؑ کی کر لوں زیارت
ساتھ اپنے اسے لائے درِ خیمہ پہ حضرت
فرمایا کہ رتبے ہیں بڑے آلِ عبا کے
تھم جا یہاں میں لاؤں اسے خیمے سے جا کے

۳۰

مشتاق جو واں جائے کہ تھی زینب ناچار
سنتے ہی صدا خیمہ میں رکن ہوا دشوار
آئی درِ خیمہ پہ معہ عترتِ اطہار
دیکھا کہ ہیں مجروح بہت سید ابرار
زخمی ہے جبیں گیسوؤں پر خاک بھری ہے
پہلو میں کمر ایک ضعیفہ بھی کھڑی ہے

۳۱

بیتابی میں زینب نے جو پردے کو اٹھایا
اس مومنہ کو جلوۂ عارض نظر آیا
پھر کانپ کے اس نے سخن یاس سنایا
ہے ہے مجھے یہ کیا مری قسمت نے دکھایا
سرتاج زمین و شرف عرش بریں ہیں
یارب یہ کہیں میری خوزادی تو نہیں

۳۲

پہچان کے پھر گرد پھری اور یہ پکاری
مخدومہ کونین مری، میں ترے واری
سونا گئی، کیا ہو کیا صورت کو تمہاری
کس طرح سے اس دشت میں آئیں مری پیاری
سرخ آنکھیں ہیں کیا شب کو نہیں سوئی ہو بی بی
پلکوں پہ ورم کیسا ہے کیا روئی ہو بی بی

۳۳

چھوڑا مرے آق کو کہاں یہ تو بتاؤ
شرمندہ ہو کس واسطے گردن تو اٹھاؤ
صدقے گئی لونڈی سے نہ احوال چھپاؤ
مشتاق کو پھر جلوۂ دیدار دکھاؤ
کیا غم ہے جو یوں ہاتھ کلیجہ پہ دھرا ہے
کہنے تو یہ ماتھے پہ لہو کس کا ملا ہے

۳۴

حضرت کی طرف دیکھ کے بولی یہ وہ مضطر
میرا تو نہیں کوئی، سوا آپ کے خواہر
دو بیٹے ابھی میں نے فدا کر دیے ان پر
پر رد نہ ہوئی ان کی بلا وائے مقدر
پالا تھا جنہیں وہ بھی سفر کر گئے بی بی
ماتھے پہ لہو جن کا ہے وہ مر گئے بی بی

۳۵

کیا اپنی مصیبت کہوں میں درد کی ماری
اس دشت میں لوٹی گئی دولت مری ساری
اب بھائی کے درپے ہے یہ سب فرقہ ناری
پہچان تو، تو کون ہے یہ عاشق باری
استادہ ترے پاس جو خالق کا ولی ہے
خواہر یہ مرا بھائی حسین ابن علی ہے

۳۶

یہ سن کے گری قدموں پہ وہ اور یہ پکاری
آقائے غریباں تری ہمت کے میں واری
لونڈی نے جو کی عرض بصد منت وزاری
کی حق سے دعا یہ کہ ظفریاب ہوں ناری
کنبہ کی تباہی پہ نظر تک نہیں آقا
ہم سب سے عزیز آپ کو سر تک نہیں آقا

۳۷

یہ کہہ کے گئی وہ تو سوئے لشکر بدخواہ
کیا حال بیاں واں کا کروں شق ہے جگر آہ
اور خیمہ میں رخصت کو گئے سید ذی جاہ
سیدانیاں روتی ہیں بصد نالہ جاں کاہ
اب آگے ہلالؔ ان کی مصیبت نہ بیاں کر
شبیرؑ کی ہمشیر سے رخصت نہ بیاں کر

Prof. ULVI CTION

ڈاکٹر عظیم امروہوی کی دیگر کتابیں

1	حدیثِ غم	نظم	لکھنؤ
2	حسین اور زندگی	نظم	رامپور
3	تحریک نینوا	نظم/نثر	امروہہ
4	شرحِ غم	نظم	امروہہ
5	مرثیۂ عظیم	نظم	کراچی
6	حسینیت ایک آفاقی تحریک	نظم/نثر	امروہہ
7	مرثیہ نگارانِ امروہہ	نثر	کراچی
8	بین الاقوامی محرم نمبر	نظم/نثر	دہلی
9	قرآن اور حسین	نظم	دہلی
10	رسولِ اعظمؐ	نظم	دہلی
11	اتحادِ اسلامی	نظم	دہلی
12	ملاقاتِ امام	نثر	دہلی
13	مفسرِ نور	نثر	دہلی
14	میرے خوابوں کا جہاں	نثر	دہلی
15	خاندانِ شمیم کی مرثیہ گوئی	نظم/نثر	دہلی
16	نقشِ حیات	نظم	امروہہ
17	آفتابِ انقلاب	نظم	دہلی
18	طوافِ نور	نثر	دہلی
19	شمیمِ سخن	نظم	دہلی
20	رسولیات	نظم	دہلی

Hilal -e- Gham

(Rasaee Kalam Hilal Amrohvi)

Tahqeeq wa Tadween

(Khandan-e-Kamal Amrohi Ki Rasaee Adab Main Khidmaat)

Dr. Azeem Amrohvi

Peshkash
AALAMI MARSIYA CENTRE
New Delhi